فضائل و مناقب اور اعتراضات کا جائزہ

GUJRANWALA

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

فضائل و مناقب اور اعتراضات کا جائزہ

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

GUJRANWALA

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

فضائل ومناقب اور اعتراضات کا جائزہ

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

اشاعت ـــــــــ جولائی 2024ء

ناشر

GUJRANWALA

UMM UL QURA PUBLICATIONS
Sialkot Road, Lodhi Town Gujranwala
0092 321 6466422

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویہ میں بہ کثرت بیان ہوئے ہیں جن میں ان کے ایمان واخلاص کی گواہی اور جنتوں کی بشارتیں مذکور ہیں، جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں تمام صحابہ کرام کا احترام اور ان سے محبت کرنا چاہیے، اور کسی کے متعلق اپنی زبان وقلم سے کوئی نازیبا کلمہ نہیں نکالنا چاہیے۔

مگر افسوس کہ قرآن وحدیث میں اس قدر صریح تعلیمات کے باوجود بھی کچھ لوگ صحابہ کرام بالخصوص سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض اعتراضات کرتے ہیں جو در اصل رافضی پروپیگنڈے کا نتیجہ ہیں۔ جبکہ اہلِ سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہر قسم کا طعن وتنقید ناجائز اور ایمان لیوا ہے جس سے ایک مسلمان کو سخت احتراز کرنا ضروری ہے۔

اسی ضرورت کے تحت زیرِ نظر رسالے میں سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے فضائل ومناقب کا ذکر کیا گیا ہے جو قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ میں بیان ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان کے متعلق بعض لوگوں کے ذکر کردہ اعتراضات کا تحقیقی زاویے سے جائزہ لیا گیا ہے کہ وہ کس قدر بودے اور محض بغض وعناد کا نتیجہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولف گرامی مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کو اجز جزیل سے نوازے جنھوں نے مختلف مصادر ومراجع سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قدر ٹھوس علمی اشیاء تحریر کیں جو یقیناً پہلے کم ہی کسی جگہ یکجا دستیاب تھیں۔ دراصل یہ رسالہ مولانا اثری حفظہ اللہ کی تحریر کردہ دو کتب ''مقامِ صحابہ'' اور ''خطبہ غدیرِ خُم'' سے ماخوذ ہے جو افادۂ عام کے لیے الگ سے شائع کیا جا رہا ہے۔ ان معلومات کی صحت واستناد کے لیے شیخ اثری حفظہ اللہ کا نام ہی ایک معتبر حوالہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے پایہ علمی رسوخ اور محققانہ اسلوب سے نوازا ہے جو ان کی تمام کتب ورسائل کی نمایاں خوبی ہوتی ہے۔ جزاه الله خيراً وبارك فيه وتقبل منه.

والسلام

حافظ شاہد رفیق

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

قبولِ اسلام:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد ۷ھ میں مسلمان ہوئے۔ مگر اسلام کا اظہار فتح مکہ کے موقع پر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے مرحبا کہا۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔

چنانچہ لکھتے ہیں: "أَسْلَمَ قَبْلَ الْفَتْحِ وَكَتَبَ الْوَحْيَ"[2]

"فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور کاتبِ وحی بنے۔"

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ نے "تطہیر الجنان" (ص: ۷، ۸) میں بھی یہی بات کہی ہے، بلکہ اس پر بظاہر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں، ان کا مدلل جواب دیا ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل کا اہتمام:

یہاں یہ بات بھی پیشِ نگاہ رہے کہ جیسے ائمہ سلف نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت اور ان کے مابین ہونے والے مشاجرات کے بارے میں زبان بند رکھنے کا حکم عقائد کی کتابوں میں ذکر کیا ہے، وہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل کو بھی اپنی ان کتابوں کا موضوع بنایا ہے۔[3]

---

[1] البداية (٨/ ١١٧، ٢١) الإصابة (٦/ ١١٢)

[2] تقريب التهذيب (ص: ٣٤١) نیز دیکھیں: فتح الباري (٣/ ٥٦٦)

[3] ملاحظہ ہو: الشريعة للآجري (ص: ٢٤٣١) السنة للخلال، باب ذكر أبي عبد الرحمن معاوية بن أبي سفيان. شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة لأبي القاسم اللالكائي (٧/ ٣١٩) الشرح والإبانة المعروف بالإبانة الصغرى (ص: ١٩٤) وغیرہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ جب خوارج اور روافض نے انھیں کافر یا فاسق کہا تو ائمہ کرام نے ان کے فضائل ومناقب ذکر کیے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتلایا کہ وہ کاتبِ وحی ہیں، مسلمانوں کے ماموں ہیں اور انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہے۔[1]

قرآنِ مجید کی شہادت:

سابقین اولین کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسٰنٍ﴾ [التوبة: ١٠٠] کا مصداق ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا اعلان فرمایا ہے۔

نیز فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ اس غزوے میں شریک ہونے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بالآخر فرمایا ہے:

﴿اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [التوبة: ٢٦]

''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکینت نازل فرمائی۔''

ظاہر ہے کہ اس سکینت کے مستحق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

نبی علیہ السلام کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے حسنِ سلوک:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت تقسیم کیا تو انھیں ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونے کے عطا فرمائے۔[2] ایک اوقیہ ٢ چھٹانک ٦ ماشہ یعنی ١٢٢.٤٧٢ گرام ہوتا ہے۔[3]

کفن میں موئے مبارک:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ٧ھ میں عمرة القضا کے لیے تشریف لے گئے۔ عمرہ سے فارغ ہوئے تو مروہ پر آپ نے بال کٹوائے تو یہ بال کاٹنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

---

[1] ملاحظہ ہو: منهاج السنة (٢/ ١٩٩۔ ٢٠٠)

[2] البداية والنهاية (٨/ ١١٧)

[3] اسلامی اوزان (ص: ٢٠)

تھے۔[1] ان کے پاس آنحضرت ﷺ کے بال اور تراشیدہ ناخن مبارک محفوظ تھے۔ وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ انھیں میرے منہ، آنکھوں اور ناک میں رکھ دیا جائے۔[2]

غزوۂ تبوک میں شرکت کی سعادت:

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک میں بھی شریک ہوئے اور اس غزوے میں شریک ہونے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ﴾ [التوبة: ١١٧]

”بے شک اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا نبی اور مہاجرین و انصار کو جنھوں نے سخت وقت میں نبی کا ساتھ دیا۔“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اعلانِ معافی میں ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، بلکہ اس موقع پر شاہِ روم کا خط پڑھنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔[3]

قرآنی بشارت کے حق دار:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ان غزوات میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت بجائے خود بہت بڑے شرف و فضل کا باعث ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً اس بشارت کے مستحق ہیں:

﴿ اَلَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾

[الحديد: ١٠]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٧٣٠) مسلم، مسند إمام أحمد وغيره، منهاج السنة (٢/ ٢١٧) فتح الباري (٣/ ٥٦٥۔ ٥٦٦)

[2] البداية والنهاية (٨/ ١٤١۔ ١٤٣)

[3] البداية والنهاية (٥/ ١٦) تهذيب تاريخ ابن عساكر (١/ ١١٤) الحلية (٩/ ١٥٥) وغيره

"جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔"

کاتبِ وحی ہونے کا شرف:

اس کے علاوہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کے امین ہیں، بلکہ آپ نے انھیں وحی الٰہی کی کتابت کا امین بنایا ہے، چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بسندِ صحیح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے: "كَانَ يَكْتُبُ الْوَحْيَ" "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتبِ وحی تھے۔"[1]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ المفضل الغلابي نے ذکر کیا ہے کہ زید بن ثابت کاتبِ وحی تھے اور معاویہ مراسلات کے کاتب تھے۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بسندِ صحیح منقول ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کاتبِ وحی تھے۔[2] بلکہ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کاتبینِ وحی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَكَانَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مِنْ أَلْزَمِ النَّاسِ لِذٰلِكَ، ثُمَّ تَلَاهُ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْفَتْحِ فَكَانَا مُلَازِمَيْنِ لِلْكِتَابَةِ بَيْنَ يَدَيْهِ ﷺ فِي الْوَحْيِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ ، لَا عَمَلَ لَهُمَا غَيْرُ ذٰلِكَ"[3]

"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ کتابتِ وحی سے متعلق تھے۔ فتح مکہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی یہ ذمے داری سر انجام دیتے تھے۔ یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہمیشہ کتابت وغیرہ کے لیے مستعد رہتے، اس کے علاوہ ان کی کوئی ذمے داری نہ تھی۔"

ایک رافضی کے اعتراض کا جواب:

منہاج الکرامہ کے رافضی مصنف ابن المطہر الحلی نے کہا تھا:

---

[1] دلائل النبوة (٢/ ٣٤٢)

[2] تاريخ الإسلام (٢/ ٣٠٩)

[3] جوامع السير (ص: ٢٧)

''معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اہلِ سنت کہتے ہیں کہ وہ کاتبِ وحی تھے، جبکہ انھوں نے ایک کلمہ وحی بھی نہیں لکھا، وہ صرف خطوط و رسائل لکھتے ہیں۔''[1]

اس کے جواب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "منهاج السنة" (۲/ ۲۱٤) میں فرمایا ہے کہ یہ ابن مطہر الحلی کا محض دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"كَانَ يَكْتُبُ الْوَحْيَ فَهُوَ مِمَّنِ ائْتَمَنَهُ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى كِتَابَةِ الْوَحْيِ"

''وہ کاتبِ وحی تھے اور ان حضرات میں سے تھے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابتِ وحی میں امین بنایا تھا۔''

علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے:

"كَانَ أَكْثَرُهُمْ كِتَابَةً زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَمُعَاوِيَةُ"[2]

''ان میں سے اکثر لکھنے کا کام حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کرتے تھے۔''

یہی بات علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے "تلقيح فهوم أهل العصر" (ص: ۳۷) اور "المدهش" (ص: ٤۳) میں اور علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے ''تاریخ دمشق'' (۵۹/ ۵۵) میں کہی ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفا'' میں اور علامہ الخفاجی رحمہ اللہ نے اس کی شرح "نسيم الرياض" (۳/ ٤۳۰) میں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بتکرار "البداية والنهاية" (۵/ ۲۱، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۲) میں، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ''تاریخ الاسلام'' (۲/ ۳۰۹) اور "السیر" (۳/ ۱۲۳) میں، علامہ الفاسی رحمہ اللہ

---

[1] منهاج الكرامة (ص: ۳۹)

[2] تهذيب الأسماء واللغات (۱/ ۲۹)

نے "العقد الثمین" (۹/ ۹۱) میں، علامہ ابن العماد رحمہ اللہ نے "شذرات الذھب" (۱/ ٦٥) میں، امام ابو منصور اصبہانی رحمہ اللہ نے "الحجة في بيان المحجة" (۱/ ۲٤۸) میں، امام ابن بطہ نے "الابانة الصغریٰ" (ص: ۱۹٤) میں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تقریب التہذیب" (ص: ۳٤۱) میں، علامہ شمس الدین سرخسی رحمہ اللہ نے "المبسوط" (۱۸/ ۹۱) میں، امام معمر بن احمد اصبہانی نے "الحجة في بيان المحجة" (۱/ ۲٤٤) میں، علامہ عمر بن علی بن سمرۃ رحمہ اللہ نے "طبقات فقهاء اليمن" (ص: ٤۳) میں، علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے "لمعة الاعتقاد" (ص: ۷۹، مترجم) میں، علامہ ہیتمی رحمہ اللہ نے "تطهير الجنان" (ص: ۱۰) میں اور صاحبِ مشکوٰۃ علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب رحمہ اللہ نے الاکمال میں کیا ہے کہ وہ کاتبِ وحی تھے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتبِ وحی ہونے کے انکار کی سزا:

امام احمد رحمہ اللہ سے بسندِ صحیح منقول ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو کہتا ہے کہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتبِ وحی تسلیم نہیں کرتا؟ انھوں نے فرمایا:

"هٰذَا قَوْلٌ سُوْءٌ رَدِيْءٌ يُجَانَبُوْنَ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمُ وَلَا يُجالَسُوْنَ، وَنُبَيِّنُ أَمْرَهُمْ لِلنَّاسِ"[1]

"یہ برا اور ردّی قول ہے۔ ایسا خیال رکھنے والوں سے لوگوں کو بچنا چاہیے۔ ان کے پاس بیٹھنا بھی نہیں چاہیے۔ ہم عوام الناس کو ایسے لوگوں سے خبردار کریں گے۔"

امام آجری فرماتے ہیں:

"مُعَاوِيَةُ كَاتِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى وَحْيِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَهُوَ

[1] السنة للخلال (ص: ٤۳٤)

الْقُرْآنُ، بِأَمْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَصَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَمَنْ دَعَا لَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَقِيَهُ الْعَذَابَ، وَدَعَا لَهُ أَن يُّعَلِّمَهُ الْكِتَابَ، وَيُمَكِّنَ لَهُ فِيْ الْبِلَادِ وَأَنْ يَّجْعَلَهُ هَادِياً مَهْدِيًّا، وَصَاهَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِأَنْ تَزَوَّجَ أُمَّ حَبِيبَةَ أُخْتَ مُعَاوِيَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمَا فَصَارَتْ أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَصَارَ خَالَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَهُوَ مِمَّنْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ﴾ [التحريم: ٨] فَقَدْ ضَمِنَ اللّٰهُ لَهُ أَنْ لَّا يُخْزِيَهُ، لِأَنَّهُ مِمَّنْ آمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ"[1]

''معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ عزوجل کی وحی کے کاتب ہیں اور (ان کا لکھا ہوا) اللہ عزوجل کے حکم سے قرآن ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے دعا کی کہ اللہ انھیں عذاب سے بچائے اور ان کے لیے دعا کی کہ اللہ انھیں قرآنِ مجید کا علم عطا فرمائے اور انھیں ملکوں پر متمکن فرمائے اور انھیں ہدایت دینے والا، ہدایت یافتہ بنائے۔ نبی اکرم ﷺ اس اعتبار سے ان کے بہنوئی ہیں کہ ان کی بہن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں، لہٰذا وہ مومنوں کے خالو ہیں اور وہ ان میں شامل ہیں جن کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی ضمانت دی ہے کہ وہ انھیں رسوا نہیں کرے گا، کیوں کہ وہ ان میں سے ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے ہیں۔''

[1] الشريعة (٥/ ٢٤٣٦)

اس لیے جو حضرات کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتبِ وحی نہیں تھے، ان کا نظریہ درست نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی شہادت اور اکثر مؤرخین کا موقف اس کے برعکس ہے۔ حضرت معافی بن عمران رحمہ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔[1] اس لیے ان کے کاتبِ وحی ہونے کا انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنو اُمیہ سے حسنِ سلوک:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رسائل اور وحیِ الٰہی پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امین بنانا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت و منقبت کے لیے کافی ہے۔ یوں کہیے کہ بنو امیہ جو ہمیشہ بنو ہاشم کے ساتھ ہر میدان میں برسرِ پیکار رہے ان میں سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عزت افزائی کے لیے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیاں ان کے عقد میں دے دیں اور جب بنو امیہ ہی میں سے ابوسفیان سردارِ مکہ مسلمان ہوئے تو ان کی دلداری کے لیے ان کے گھر میں داخل ہو جانے والوں کے لیے امن کا اعلان فرمایا اور جب ان کے فرزند حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو آپ نے ان کی قدر دانی کے لیے انھیں اپنا کاتب بنا لیا۔

نبی علیہ السلام سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قرابت داری:

رہی قرابت داری تو وہ ان کے ایمان لانے سے پہلے ہی سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح سے قائم ہو چکی تھی۔ عبدالملک بن عبدالحمید المیمونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا:

---

[1] الشريعة (٥/ ٧٤٦٧) شرح أصول اعتقاد أهل السنة (٨/ ١٤٤٥) تاريخ بغداد (١/ ٢٠٩) تاريخ دمشق (٥٩/ ٢٠٨) البداية والنهاية (٨/ ١٣٩)

«كُلُّ صِهْرٍ وَنَسَبٍ يَنْقَطِعُ إِلَّا صِهْرِيْ وَنَسَبِيْ»

''قیامت کے دن میری قرابت داری اور میرے نسب کے علاوہ ہر ایک کے حسب ونسب کا تعلق منقطع ہو جائے گا۔''

تو انھوں نے فرمایا: ہاں، یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ میں نے کہا: تو کیا یہ تعلق داری حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے؟ انھوں نے فرمایا: بالکل، یہ شرف ان کو حاصل ہے۔[1]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تمام مومنوں کے ماموں ہیں:

اسی طرح احمد بن حمید ابو طالب رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا میں یہ کہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مومنوں کے ماموں ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، معاویہ رضی اللہ عنہ، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ کی زوجہ محترمہ کے بھائی ہیں۔ ابو طالب کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے کہا تو میں کہا کروں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مومنوں کے ماموں ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں، کہا کرو۔[1]

امام حکم بن ہشام رحمہ اللہ سے، جن کا شمار کبار اتباع تابعین میں ہوتا ہے، پوچھا گیا کہ آپ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ انھوں نے فرمایا:

''ذٰلِكَ خَالُ كُلِّ مُؤْمِنٍ''[2] ''وہ ہر مومن کے ماموں ہیں۔''

امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ انھیں مومنوں کے ماموں کہنا درست ہے۔[3]

بلکہ اس کا اظہار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے عمرو بن اوس رحمہ اللہ ازدی نے کیا جو

[1] السنة للخلال (٤٣٢) وفي نسخة (١/ ٣٥٢)

[1] السنة للخلال (٤٣٣)

[2] الثقات للعجلي (ص: ١٢٨)

[3] تفسير ابن كثير (٤/ ٦٠٨)

جنگِ صفین میں قیدی بنے تھے اور انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھ پر احسان کریں، آپ تو میرے ماموں ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمھارا ماموں کیسے ہوں؟ انھوں نے کہا: ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں، اس ناتے وہ ام المومنین ہیں اور میں ان کا بیٹا ہوں، جبکہ آپ ان کے بھائی اور میرے ماموں ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر تعجب کیا اور اسے چھوڑ دیا۔[1]

علامہ عمر بن علی بن سمرہ رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذکر میں لکھتے ہیں:

"ثُمَّ وَلِيَ خَالُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَكَاتِبُ وَحْيِ رَبِّ الْعالَمِيْنَ"[2]

"پھر مومنوں کے ماموں اور رب العالمین کی وحی کے کاتب خلیفہ بنے۔"

یہی بات علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے "تاریخ دمشق" (۵۹/ ۵۵) میں کہی ہے۔ قاضی ابو یعلی رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہی انھوں نے یہ رکھا ہے:

"تَنْزِيْهُ خَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ مِنَ الظُّلْمِ والْفِسْقِ فِيْ مُطَالَبَتِهٖ بِدَمِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہما"

جس کے نام ہی میں انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مومنوں کا ماموں قرار دیا ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کے خال المومنین ہونے کا خصوصی تذکرہ کیوں؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ائمہ سلف کی یہ تصریحات ہیں کہ وہ مسلمانوں کے ماموں ہیں، حالانکہ یہ رشتہ ناتا حضرت عبدالرحمن اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم

[1] البداية (۷/ ۲۷۸)

[2] طبقات فقهاء اليمن (ص: ٤٧)

کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے حضرت عبداللہ، عبیداللہ اور عاصم کو بھی حاصل ہے۔

لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس اہتمام کا مقصد ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت کا اظہار دراصل خوارج اور رافضیوں کی منہ شگافیوں کے ردِ عمل میں ہے، جیسا کہ "منهاج السنة" (۲/ ۲۱۱) کے حوالے سے ہم نقل کر آئے ہیں۔

اس حوالے سے بعض علمائے اہلِ سنت نے اگرچہ اس سے اختلاف کیا ہے کہ یوں تو ازواجِ مطہرات کی بہنیں مسلمانوں کی خالہ بنیں گی اور ان سے کسی مسلمان کا نکاح جائز نہ ہوگا، حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ بالاتفاق ازواجِ مطہرات کے ساتھ نسب کے تمام احکام ثابت نہیں۔ خود ازواجِ مطہرات کے ماں ہونے کے باوصف ان سے کسی کی خلوت جائز نہیں۔ پردہ کا انھیں حکم ہے۔ ماں ہونے کا اعزاز بطور اکرام و احترام اور عظمت کے ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ماموں کہنے کا سبب ایک خاص پسِ منظر میں ہے، اس پر باقی سب نسب کو قیاس کرنا درست نہیں۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کی خاص فضیلت:

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ قیامت کے دن میری قرابت داری اور میرے نسب کے علاوہ ہر ایک کے حسب و نسب کا تعلق منقطع ہو جائے گا، یہ روایت حضرت مسور بن مخرمہ، عبداللہ بن عباس، عمر بن خطاب اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جن کی اسانید پر علامہ البانی رحمہ اللہ نے "السلسلة الصحيحة" (رقم: ۲۰۳۶) میں تفصیلاً بحث کی ہے اور انھیں صحیح قرار دیا ہے۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: منهاج السنة (۲/ ۱۹۹) تفسیر ابن کثیر (۳/ ۶۱۸)

بلکہ رسول اللہ ﷺ سے تعلق اور رشتے داری قائم کرنے کے لیے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام کلثوم سے نکاح کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا تھا اور نکاح ہوگیا، جیسا کہ احادیث اور سیرت و تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے، بلکہ نکاح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: لوگو! "أَلَا تُهَنِّئُوْنِيْ" "مجھے مبارک کیوں نہیں دیتے؟" میرا رشتہ ناتا رسول اللہ ﷺ سے قائم ہوگیا ہے۔[1] اس لیے رسول اللہ ﷺ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رشتے داری بھی ان کے فضل و شرف کا ایک بڑا سبب ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے نبوی:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا بھی مروی ہے:

«اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ، وَقِهِ الْعَذَابَ»[2]

"اے اللہ! معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو کتاب و حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب سے محفوظ فرما۔"

اس روایت کی دیگر کتابوں سے تخریج علامہ البانی رحمہ اللہ نے "السلسلة الصحيحة" (رقم: ۳۲۲۷) میں کی ہے اور اس کے علاوہ عبداللہ بن عباس، عبدالرحمٰن بن ابی عمیرة المزنی، سلمة بن مخلد رضی اللہ عنہم سے متصلاً اور شریح بن عبید، حریز بن عثمان رحمہم اللہ سے مرسلاً اس کے شواہد ذکر کیے ہیں۔ "صحيح الموارد" (۲/ ۳۹۸) میں بھی اسے ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ صحیح لغیرہ ہے۔

---

[1] المختارة (ص: ۱۰۲) طبرانی، مجمع الزوائد (۹/ ۱۷۳)

[2] صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث (۱۹۳۸) صحيح ابن حبان، رقم الحديث (۷۱۶۶) مسند أحمد (٤/ ۱۲۷، رقم الحديث: ۱۷۱۵۲) وغيره

معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہادی ومہدی بنانے کی دعائے نبوی:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِياً مَهْدِيًّا واهْدِهِ وَاهْدِ بِهِ يَعْنِي مُعَاوِيَةَ»[1]

"اے اللہ! معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو ہادی و مہدی بنا اور اسے ہدایت یافتہ اور دوسروں کو ہدایت دینے والا بنا۔"

امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حسن غریب ہے۔ علامہ الجوز جانی رحمہ اللہ نے بھی "الأباطیل" (۱/ ۱۹۳) میں اسے حسن کہا ہے اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔[2] مگر علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"رِجَالُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ رِجَالُ مُسْلِمٍ، فَكَانَ حَقُّهُ أَنْ يُّصَحَّحَ"[3]

"اس کے سب راوی ثقہ اور مسلم کے راوی ہیں۔ اس کا حق ہے کہ اسے صحیح کہا جائے۔"

اس کے بعد انھوں نے تفصیلاً ان کا رد کیا ہے جو سعید بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے اختلاط یا عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ کے صحابی نہ ہونے کی بنا پر اس پر اعتراض کرتے ہیں اور بالآخر فرمایا: "وَبِالْجُمْلَةِ فَالْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ" کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی حضرت عرباض کی مذکورۃ الصدر روایت ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: "وَلِلْحَدِيْثِ شَاهِدٌ قَوِيٌّ"[4] کہ "اس کا قوی شاہد ہے۔" اس کا

---

[1] التاريخ الكبير للبخاري (۷/ ۳۲۷) سنن الترمذي، رقم الحديث (۳۸٤۲) مسند أحمد، رقم الحديث (۱۱۷۸۹۲) الآد والمثاني (۱۱۲۹) السنة للخلال (٦٨٢، ٦٨٤) وغیرہ

[2] تاريخ الإسلام (۲/ ۳۰۹)

[3] السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (۱۹٦۹، ٤/ ٦١٥) نیز دیکھیں: السلسلة الصحيحة (۷/ ۳۲۲۷)

[4] السير (۳/ ۱۲٤)

سندِ حسن سے شاہد "مسند الشامیین" (ص: ۳۳۳) میں ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ روایات البدایہ میں ذکر کی ہیں اور فرمایا ہے کہ فضائلِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں جو موضوع روایات ہیں، انھیں میں نے قلم زد کر دیا ہے:

"وَاكْتَفَيْنَا بِمَا أَوْرَدْنَاهُ مِنَ الْأَحَادِيْثِ الصِّحَاحِ وَالْحِسَانِ الْمُسْتَجَادَاتِ"[1]

"ہم نے صحیح، حسن اور جید احادیث ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔"

امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے حضرت ابن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو متعدد طرق سے بیان کیا ہے تو اس کی تحسین کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فَرَحِمَهُ اللّٰهُ، كَم لَه مِنْ مَوَاطِنَ قَد تَبْرُزُ فِيه عَلىٰ غَيرِه مِنَ الْحُفَّاظِ وَالنُّقَادِ"[2]

"اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے، کتنے مقامات ہیں جہاں وہ حفاظ اور نقاد سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔"

کیا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی روایت صحیح نہیں؟

اس لیے امام اسحاق رحمہ اللہ وغیرہ نے جو فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی روایت صحیح نہیں، یہ محلِ نظر ہے۔ امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے بھی امام اسحاق رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کر کے اس پر تعاقب کیا ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

"وَأَصَحُّ مَا رُوِيَ فِيْ فَضْلِ مُعَاوِيَةَ حَدِيْثُ أَبِيْ حَمْزَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ كَانَ كَاتِبَ النَّبِيِّ ﷺ مُنْذُ أَسْلَمَ، فَقَدْ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحِهٖ، وَبَعْدَهُ حَدِيْثُ الْعِرْبَاضِ: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ

[1] البداية والنهاية (٨/ ١٢٢)

[2] البداية والنهاية (٨/ ١٢٢)

الْكِتَابَ، وَبَعْدَهُ حَدِيثُ ابْنِ أَبِي عُمَيْرَةَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِياً مَهْدِيًّا"[1]

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں سب سے صحیح حدیث وہ ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ جب سے اسلام لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔ پھر اس کے بعد حضرت عرباض کی حدیث ہے کہ اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب کا علم دے۔ پھر اس کے بعد عبدالرحمٰن بن ابی عمیرۃ کی حدیث ہے کہ اے اللہ! اسے ہادی اور مہدی بنا۔''

اس لیے امام اسحاق رحمہ اللہ کا یہ قول درست نہیں، بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں یہ روایات صحیح ہیں۔ متقدمین ائمہ کرام امام ابن خزیمہ، امام ابنِ حبان اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی آرا بھی ان کے برعکس ہیں۔

صحیح بخاری کے حوالے سے ایک اعتراض کی حقیقت:

یہاں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الجامع المسند الصحیح'' میں فضائل الصحابہ کے ضمن میں فرمایا ہے: ''باب ذکر معاویۃ رضی اللہ عنہ'' جس سے بعض حضرات یہ تاثر دیتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ان کے نزدیک اگر کوئی حدیث صحیح ہوتی تو اس کا ذکر کرتے اور دیگر ابواب کی طرح ''باب مناقب معاویہ'' یا ''باب فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا عنوان ذکر کرتے۔ مگر یہ تاثر درست نہیں۔ اس لیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے علاوہ بھی ''باب ذکر العباس بن عبدالمطلب''، ''باب ذکر طلحۃ بن عبید اللہ''، ''باب ذکر اسامہ بن زید''، ''باب ذکر مصعب بن عمیر'' اور ''باب ذکر ابن عباس'' وغیرہم کے عنوان سے ابواب ذکر کیے

---

[1] البداية (٨/ ١٢٢) السلسلة الصحيحة (٧/ ٦٩٤) قسم ثاني.

ہیں۔ کیا ان کے فضائل میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے؟

ثانیاً: امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر کسی حدیث کا صحیح ہونا اور اسی کا دیگر ائمہ کی شروط پر صحیح ہونے میں فرق بیّن ہے جس سے کوئی علم حدیث کا طالب علم ناواقف نہیں۔

ثالثاً: خود امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی تمام صحیح احادیث کو ''الجامع المسند الصحیح'' میں جمع نہیں کیا، بلکہ فرمایا ہے کہ بہت سی صحیح احادیث کو میں نے ترک کر دیا، تاکہ کتاب بہت ضخیم نہ ہو جائے۔[1] اس لیے اس باب کے عنوان سے یہ تاثر صحیح نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں کوئی صحیح حدیث نہیں۔

صحیح بخاری میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں حدیث:

تعجب تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر ہے کہ انھوں نے ''فتح الباری'' میں لکھ دیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے شیخ امام اسحاق رحمہ اللہ کے اس قول کی بنا پر کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں کوئی حدیث صحیح نہیں، ان کے مناقب کا باب ذکر کرنے سے اعراض کیا ہے۔[2]

کیا سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کی حدیث: «أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُوْنَ الْبَحْرَ أَوْجَبُوا» ''میری امت کا پہلا لشکر جو دریا کے راستے جہاد کرے گا، ان پر جنت واجب ہوگئی ہے۔'' صحیح بخاری (۲۹۲۴) کی حدیث نہیں؟ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی نے نقل کیا ہے:

> ''هَذَا الْحَدِيْثُ فِيهِ مَنْقَبَةٌ لِمُعَاوِيَةَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ غَزَا الْبَحْرَ''
>
> ''اس حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے، کیوں کہ انھوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا ہے۔''

جیسا کہ آیندہ بالتفصیل اس کا ذکر۔ ان شاء اللہ۔ آئے گا۔

---

[1] مقدمة فتح الباري (ص: ٧)

[2] فتح الباري (٧/ ١٠٤)

معاویہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت اور پیشین گوئی:

علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کروا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو دفعہ سر مبارک اوپر اٹھا کر فرمایا:

«يَا مُعَاوِيَةُ! إِنْ وُلِّيتَ أَمْراً فَاتَّقِ اللّٰهَ وَاعْدِلْ»

''اے معاویہ! اگر تمھیں امیر بنا دیا جائے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل کرنا۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تو میں سمجھتا تھا کہ میں اس عمل میں آزمایا جاؤں گا۔[1] علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وَلِهٰذَا طُرُقٌ مُقَارَبَةٌ"[2] ''اس کے کئی طرق مقارب ہیں۔''

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسی روایت کے بارے میں فرمایا: "إِنَّ لِلْحَدِيثِ شَوَاهِدَ"[3] ''اس حدیث کے کئی شواہد ہیں۔''

علامہ ہیثمی نے کہا ہے کہ مسند احمد کی روایت مرسل ہے مگر ابو یعلی نے اسے موصول بیان کیا ہے اور مسند احمد اور ابو یعلیٰ کے راوی صحیح (بخاری) کے راوی ہیں۔[4] اسے امام طبرانی نے "الأوسط" اور "الکبیر" میں بھی روایت کیا ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں کوئی روایت صحیح نہیں، درست بات نہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق بشارتِ نبوی:

بلکہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَزَالُ هٰذَا الدِّينُ قَائِمًا حَتّٰى يَكُونَ عَلَيْكُمْ اثْنَا عَشَرَ

---

[1] مسند أحمد (٤/ ١٠١، رقم: ١٦٩٣٣) مسند أبي يعلىٰ، رقم الحديث (٧٣٤٢) وغيره

[2] السير (٣/ ١٣١)

[3] دلائل النبوة (٢/ ٤٤٦) ابن عساكر (٥٩/ ١١٠) البداية (٨/ ١٢٣)

[4] مجمع الزوائد (٩/ ٣٥٦)

خَلِيفَةً كُلُّهُمْ تَجْتَمِعُ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ»[1]

''یہ دین قائم اور غالب رہے گا، حتی کہ تم پر بارہ خلیفے ہوں گے جن سب پر امت اکٹھی ہوگی۔''

خلافتِ راشدہ یا خلافت علی منہاج النبوۃ کی مدت تو رسول اللہ ﷺ نے تیس سال بیان کی ہے جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مکمل ہو جاتی ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ ملوکیت کا دور ہوگا۔ لیکن اس کے یہ معنی قطعاً نہیں کہ خلفائے راشدین کے بعد کا دور قیصر و کسری یا کافر حکمرانوں جیسا ہوگا، بلکہ آپ نے ''خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ'' کے بعد کے امراء اور حکمرانوں کو بھی اس حدیث میں خلیفہ کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ''تَجْتَمِعُ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ'' ان کی خلافت پر امت کا اتفاق ہوگا۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ یہی روایت رسول اللہ ﷺ سے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

«يَكُونُ اثْنَا عَشَرَ أُمَرَاءَ. فَقَالَ كَلِمَةً لَمْ أَسْمَعْهَا. فَقَالَ أَبِيْ: إِنَّهُ قَالَ: كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ»[2]

''بارہ امیر ہوں گے۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر آپ نے ایک کلمہ بولا جسے میں سن نہ سکا تو میرے والد محترم نے بتلایا کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے: وہ سب قریشی ہوں گے۔''

بلکہ صحیح مسلم (۴۷۰۸) اور سنن ابو داود (۴۲۸۰) میں تو ہے:

«لَا يَزَالُ الْإِسْلَامُ عَزِيزاً إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً»

''اسلام بارہ خلفاء تک غالب رہے گا اور وہ قریش میں سے ہوں گے۔''

---

[1] سنن أبي داود (٤/ ١٧٠)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٢٢٢)

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ "خلافۃ النبوۃ" کے بعد کا دور بلاشبہ خلافۃ النبوۃ کا دور نہ تھا، بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور جیسا نہ تھا۔ عموماً تنزلی کی یہ صورت بدستور قائم رہی، لیکن یوں نہیں کہ "خلافۃ النبوۃ" کے بعد اسلام کا دور ہی نہیں رہے گا اور نہ ہی خلافت قائم رہے گی، جیسا کہ عموماً ڈھنڈورا پیٹنے والے کہتے ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہ کہنے سے انکار بغض وعناد کا نتیجہ ہے:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسی مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَيَجُوزُ تَسْمِيَةُ مَنْ بَعْدَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ خُلَفَاءَ، وَإِنْ كَانُوا مُلُوكاً، وَلَمْ يَكُونُوا خُلَفَاءَ الْأَنْبِيَاءِ، بِدَلِيلِ مَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ فِي صَحِيحَيْهِمَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا يَكُونُ نَبِيٌّ بَعْدِي وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ. قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ...... الْحَدِيثَ، فَقَوْلُهُ: فَتَكْثُرُ، دَلِيلٌ عَلٰى مَنْ سِوَى الرَّاشِدِينَ فَإِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا كَثِيراً"[1]

"جو خلفائے راشدین کے بعد ہوئے انھیں خلفاء کہنا جائز ہے اگرچہ وہ بادشاہ ہوں اور خلفائے انبیاء نہ ہوں، اس کی دلیل، صحیح بخاری (۳۴۵۵) اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی سیاست وانتظام انبیاء کرتے

[1] مجموع الفتاویٰ (۳۳/ ۱۴) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: منہاج السنۃ (۳/ ۱۸۵) شرح العقیدۃ الطحاویۃ (۴۸۹) عون المعبود (۴/ ۱۷۱) مجموع الفتاویٰ (۴/ ۴۷۸)

تھے۔ جب کوئی نبی فوت ہو جاتا تو اس کا جانشین نبی ہوتا۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا، بلکہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کی: پھر آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا: پہلے کی بیعت پوری کرو، پھر پہلے کی (اور ان کو ان کا حق دو)۔ (الحدیث) اس حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان کہ ''خلفاء بہت ہوں گے'' دلیل ہے کہ وہ خلفائے راشدین کے علاوہ ہوں گے، کیونکہ خلفائے راشدین تو زیادہ نہیں ہیں۔''

لہٰذا جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد ۱۲ خلفاء ہوں گے، بارہ امیر ہوں گے، قریشی ہوں گے، امت کا ان پر اجماع ہو گا اور اسلام ان کے دور میں غالب رہے گا تو اتنی وضاحتوں کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''خلیفہ'' کہنے سے ناک بھوں چڑھانا ان کے ساتھ محض بغض وعناد کا نتیجہ ہے۔

صحابہ وتابعین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق رہے:

امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی رحمہ اللہ، جن کا شمار کبار محدثین وفقہاء میں ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پایا ہے، جن میں اسامہ بن زید، سعد، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، مسلمہ بن مُخلَّد، ابو سعید، رافع بن خدیج، ابو امامہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہم ہیں اور بہت سے وہ پاک باز لوگ جو کئی درجے بہت بلند ہیں، ان سے جن کا ہم نے نام لیا ہے، وہ ہدایت کے روشن چراغ اور علم کے سمندر تھے، جو نزولِ قرآن اور تجدیدِ دین کے وقت حاضر تھے، انھوں نے اسلام کو ایسا سمجھا کہ ویسا کسی اور نے نہیں سمجھا اور رسول اللہ ﷺ سے قرآن کی تعلیم پائی۔ اور ان کی احسان کے ساتھ پیروی کرنے والے جیسے مسور بن مَخرمہ، عبدالرحمٰن بن اسود، سعید بن مسیّب، عبداللہ بن مُحیریز رحمہم اللہ

اور ان جیسے دوسرے حضرات ہیں، ان میں سے کسی نے بھی امتِ محمد ﷺ میں جماعت سے ہاتھ نہیں کھینچا۔ (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام رحمہم اللہ سب حضرت معاویہ کی خلافت پر متفق رہے)۔

عمر فاروق اور عثمان رضی اللہ عنہما کا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اظہارِ اعتماد:

یہی بات امام ابن کثیر نے ''البدایۃ'' (۸/ ۱۱۹) میں بھی کہی ہے، بلکہ سیدنا فاروق اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے دورِ خلافت میں مسلسل شام کا گورنر مقرر کیا، دوسرے صوبہ جات کے گورنروں کی اگر کوئی شکایت ہوتی تو وہ انھیں معزول کر کے کسی اور کو نامزد کر دیتے، مگر تقریباً بیس سال تک ان دونوں خلفائے راشدین کے ہاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوئی شکایت پہنچی اور نہ انھیں تبدیل کرنے کی انھوں نے ضرورت محسوس کی، جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور امورِ سلطنت کو بہ حسن وخوبی سنبھالنے کی روشن دلیل ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی برکات:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بادشاہ ہیں، خلیفہ ہیں، امیر ہیں، قریشی ہیں، امت کا ان کی خلافت پر اجماع ہے۔ ایسا اجماع کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں جو انتشار اور افتراق پیدا ہو گیا تھا وہ ختم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی ''میرا بیٹا سردار ہے اور مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کروائے گا۔''[1] کے مطابق حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں مصالحت ہو گئی۔ بکھری ہوئی امت پھر سے ایک خلیفہ پر متفق ہو گئی اور اس سال کا نام ''سَنَةُ الْجَمَاعَةِ'' (اتفاق کا سال) رکھا گیا اور حضرت

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۳۷۴٦، ۷۱۰۹)

معاویہ رضی اللہ عنہ کی ان اکابر صحابہ نے بھی بیعت کر لی جو جمل و صفین میں دونوں سے الگ تھلگ رہے تھے۔ جہادِ اسلام اور فتوحاتِ اسلامی کا سلسلہ از سرِ نو شروع ہو گیا اور عالمِ کفر کو جگہ جگہ شکست کھانا پڑی۔ سلطنتِ اسلامی کی حدود سمرقند و بخارا سے لے کر اقصائے مغرب تک، ادھر یمن سے قسطنطنیہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اسلام ہر سو غالب ہوا اور تمام امت کا ان کی خلافت پر اتفاق ہوا۔

شانِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں صحیح مسلم کی حدیث اور ایک اعتراض کی حقیقت:

یہ جو اوپر امام ابن عساکر رحمہ اللہ کے حوالے سے گزرا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں سب سے صحیح حدیث صحیح مسلم کی ہے، جسے وہ "ابوحمزہ (عمران بن ابی عطاء) عن ابن عباس" سے روایت کرتے ہیں تو اس سے حسبِ ذیل حدیث مراد ہے:

"كُنْتُ أَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَتَوَارَيْتُ خَلْفَ بَابٍ، قَالَ: فَجَاءَ فَحَطَأَنِي حَطْأَةً وَقَالَ: اذْهَبْ وَادْعُ لِي مُعَاوِيَةَ، قَالَ فَجِئْتُ فَقُلْتُ: هُوَ يَأْكُلُ، قَالَ: ثُمَّ قَالَ لِيَ: اِذْهَبْ فَادْعُ لِيْ مُعَاوِيَةَ. قَالَ: فَجِئْتُ فَقُلْتُ: هُوَ يَأْكُلُ فَقَالَ: لَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهُ"[1]

"میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں دروازے کے پیچھے چھپ گیا، تو آپ نے مجھے کندھوں کے مابین تھپکی دی اور فرمایا: جاؤ! میرے پاس معاویہ کو بلا کر لاؤ، چنانچہ میں گیا، پھر واپس حاضر ہو کر عرض کی: وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ پھر (دوبارہ) آپ نے فرمایا: جاؤ! میرے پاس معاویہ کو بلا لاؤ، تو پھر گیا اور واپس آ کر عرض کی:

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٠٤) كتاب البر والصلة والأدب.

وہ کھانا کھا رہے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ ان کا پیٹ نہ بھرے۔''

اس حدیث کو بعض حضرات اپنے سوئے فہم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے کی بنا پر ان کی مذمت میں ذکر کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ حدیث ان کی مذمت میں نہیں، بلکہ منقبت میں ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ، جنھوں نے یہ حدیث بیان کی، امام نووی رحمہ اللہ نے اس پر باب کا عنوان یوں ذکر کیا ہے:

"بَابُ مَنْ لَعَنَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَوْ سَبَّه أَوْ دَعَا عَلَيه، وَلَيْسَ هُوَ أَهْلًا لِذَلِكَ كَانَ لَهُ زَكَاةً وَأَجْراً وَرَحْمَةً"

یعنی جس پر نبی کریم ﷺ نے لعنت کی یا گالی دی یا بد دعا کی اور وہ اس کا اہل نہیں تو وہ اس شخص کے گناہ کی پاکیزگی، اس کے لیے ثواب اور رحمت کا باعث ہوگی۔

اس کے بعد امام مسلم رحمہ اللہ نے اس بارے میں چار احادیث ذکر کی ہیں:

پہلی حدیث سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ دو آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، انھوں نے آپ سے کسی معاملے کے متعلق بات کی۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ بات کیا تھی۔ ان کی بات نے آپ ﷺ کو غصہ دلا دیا تو آپ ﷺ نے ان پر لعنت کی اور انھیں بُرا بھی کہا۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! جو کچھ انھیں حاصل ہوا ہے اس کے بعد تو کوئی خیر ان کے لیے نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: وہ کیسے؟ میں نے عرض کی: جو آپ نے انھیں لعنت کی اور ان کو بُرا کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمھیں معلوم نہیں کہ میں نے اپنے رب سے شرط کی ہے کہ اے اللہ! میں انسان ہوں، جس کسی مسلمان پر میں لعنت کروں یا اسے بُرا کہوں تو اسے اس کے لیے گناہوں کا کفارہ اور اجر و ثواب کا باعث بنا دے۔

اس کے بعد اسی مفہوم کی حدیث حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر بن عبداللہ اور

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے لائے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس ایک بچی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا: یہ تم ہو؟« لقد کبرت، لا کبر سنك » ''تو بڑی ہوگئی ہے، تیری عمر بڑی نہ ہو۔'' یہ سن کر وہ بچی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس روتی ہوئی آئی تو ام سلیم نے فرمایا: بچی تجھے کیا ہوا ہے؟ اس بچی نے کہا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بددعا دی ہے کہ تیری عمر بڑی نہ ہو، اب تو میری عمر بالکل زیادہ نہ ہوگی۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا جلدی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کی چادر زمین پر گھسٹ رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ام سلیم! تمھیں کیا ہوا ہے؟ انھوں نے عرض کی: یہ کہتی ہے کہ آپ نے اسے عمر نہ بڑھنے کی بددعا کی ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: ''ام سلیم! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میری اللہ تعالیٰ سے شرط ہے کہ میں انسان ہوں، انسانوں کی طرح راضی بھی ہوتا ہوں اور ناراض بھی۔ لہٰذا میں اپنے جس امتی کے لیے ایسی دعا کروں جس کا وہ مستحق نہیں تو اس دعا کو اس کے گناہوں کی پاکیزگی اور طہارت بنا دے اور اس بددعا کو قیامت کے روز اپنے تقرب کا ذریعہ بنا دے۔''

اس حدیث کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے: « لَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهُ » ''اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔'' قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں ہیں تو اس بچی کے بارے میں « لَا کَبِرَ سِنُّكَ » ''تیری عمر زیادہ نہ ہو۔'' کے الفاظ بددعا ہیں یا نہیں؟ اسے بچی نے اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بددعا کے مفہوم میں لیا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غلط فہمی کا ازالہ فرما دیا کہ یہ تو اس کے لیے پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث بنے گی۔

شارحینِ حدیث کے اقوال:

امام مسلم ﷫ نے اس کے بعد حضرت معاویہ ﷜ کے بارے میں حدیث لا کر اشارہ فرمایا کہ یہ حدیث بھی حضرت معاویہ ﷜ کے لیے اللہ تعالیٰ کے قرب اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا باعث ہے۔ چنانچہ شارح صحیح مسلم علامہ نووی رقمطراز ہیں:

"فَهِمَ مُسْلِمٌ مِنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ مُعَاوِيَةَ لَمْ يَكُنْ مُسْتَحِقًّا لِلدُّعَاءِ عَلَيْهِ فَلِهَذَا أَدْخَلَهُ فِي هَذا الْبَابِ وَجَعَلَهُ غَيْرُهُ مِنْ مَنَاقِبِ مُعَاوِيَةَ لِأَنَّهُ فِي الْحَقِيقَةِ يَصِيرُ دُعَاءً لَهُ"[1]

"امام مسلم ﷫ نے اس حدیث سے سمجھا ہے کہ معاویہ ﷜ بد دعا کے مستحق نہ تھے، اس لیے امام مسلم ﷫ نے یہ حدیث اس باب میں ذکر کی ہے اور دیگر اہلِ علم نے اسے حضرت معاویہ ﷜ کے مناقب میں شمار کیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کے یہ الفاظ درحقیقت ان کے لیے دعا بن گئے تھے۔"

حافظ ابن کثیر ﷫ نے بھی فرمایا ہے:

"فَرَكَبَ مُسْلِمٌ مِنَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ وَهَذَا الْحَدِيثُ فَضِيلَةٌ لِمُعَاوِيَةَ وَلَمْ يُورِدْ لَهُ غَيْرَ ذٰلِكَ"[2]

"امام مسلم ﷫ نے پہلی حدیث کے متصل بعد (یہ حدیث ذکر کی ہے) اور یہ حدیث حضرت معاویہ ﷜ کی فضیلت میں ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی حدیث ذکر نہیں کی۔"

سیدنا معاویہ ﷜ کے حق میں حدیثِ نبوی کی دلچسپ افادیت:

بلکہ حافظ ابن کثیر ﷫ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس حدیث سے حضرت معاویہ ﷜

---

[1] شرح مسلم (٢/ ٣٢٥)

[2] البداية والنهاية (٨/ ١٢٠)

نے اپنی دنیا اور آخرت میں فائدہ اٹھایا ہے۔ دنیا میں وہ روز سات بار کھانا کھاتے تھے۔ ایک پیالے میں گوشت اور لہسن ہوتا، اسے تناول فرماتے۔ روزانہ سات لقمے گوشت کے کھاتے اور حلوئی اور پھل وغیرہ خوب کھاتے اور فرماتے: اللہ کی قسم! میرا پیٹ نہیں بھرا۔

اور رہا آخرت کا فائدہ تو بخاری وغیرہ میں صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میں انسان ہوں۔ میں جس شخص کو برا کہوں یا اسے ماروں یا اس کے لیے بد دعا کروں جس کا وہ اہل نہیں تو اسے اس کے حق میں کفارہ اور قیامت کے روز اپنے قرب کا ذریعہ بنا دے۔ یوں یہ حدیث ان کی اخروی فضیلت کے لیے ہے۔[1]

ایک اشکال کا ازالہ:

یہاں یہ بات بھی پیشِ نگاہ رہے کہ اس حدیث میں جو یہ آیا ہے: ''جو اس بد دعا کا اہل نہیں'' تو جو اہل نہیں اس کے لیے آنحضرت ﷺ نے بد دعا کیوں کی؟ تو اس کا ایک جواب علامہ نووی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے:

''مَا وَقَعَ مِنْ سَبِّهٖ وَدُعَائِهٖ وَنَحْوِهٖ لَيْسَ بِمَقْصُوْدٍ بَلْ هُوَ مِمَّا جَرَتْ بِهٖ عَادَةُ الْعَرَبِ فِيْ وَصْلِ كَلَامِهَا بِلَا نِيَّةٍ كَقَوْلِهٖ: تَرِبَتْ يَمِيْنُهٗ، وَعَقْرٰى حَلْقٰى، وَفِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ: لَا كَبِرَتْ سِنُّكِ، وَفِي حَدِيْثِ مُعَاوِيَةَ: لَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهٗ وَنَحْوِ ذٰلِكَ، لَا يَقْصِدُوْنَ بِشَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ حَقِيْقَةَ الدُّعَاءِ فَخَافَ ﷺ أَنْ يُصَادِفَ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ إِجَابَةً فَسَأَلَ رَبَّهٗ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى

[1] البداية (٨/ ١٩٩۔ ٢٠٠)

وَرَغِبَ إِلَيْهِ فِيْ أَنْ يَّجْعَلَ ذٰلِكَ رَحْمَةً وَكَفَّارَةً وَطَهُوْرًا وَأَجْرًا، وَإِنَّمَا كَانَ يَقَعُ مِنْهُ فِي النَّادِرِ...الخ"[1]

"جو رسول اللہ ﷺ سے آیا ہے کہ آپ نے کسی کو برا کہا یا بد دعا وغیرہ کی، تو اس سے بد دعا مقصود نہیں، بلکہ یہ الفاظ عرب کی عادت کے مطابق وصلِ کلام میں بلا نیت جاری ہو جاتے ہیں، جیسے آپ نے فرمایا: «تَرِبَتْ يَمِيْنُهُ» "اس کا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو" یا جیسے فرمایا (عائشہ صدیقہ سے): «عَقْرٰى حَلْقٰى» "تیرے جسم اور حلق میں بیماری ہو"، اور اس حدیث میں ہے: «لَا كَبِرَتْ سِنُّكِ» "تیری عمر زیادہ نہ ہو۔" اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: «لَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَه» "اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔" تو اس جیسے کلام میں اہلِ عرب حقیقتِ دعا مراد نہیں لیتے۔ آنحضرت ﷺ نے خوف محسوس کیا کہ کہیں یہ الفاظ قبولیت نہ پا جائیں تو اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رغبت اختیار کرتے ہوئے عرض کی کہ ان الفاظ کو رحمت، کفارۂ گناہ، قربت، پاکیزگی اور اجر کا باعث بنا دے۔ ایسے الفاظ آپ ﷺ سے شاذ و نادر ہی واقع ہوئے ہیں۔"

نبی علیہ السلام بد دعا اور لعن طعن کرنے والے نہیں تھے:

رسول اللہ ﷺ بد گو نہیں تھے اور نہ لعن وطعن کرنے والے تھے، نہ اپنا بدلہ لیتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سے عرض کی گئی کہ قبیلۂ دوس پر بد دعا کیجیے، مگر آپ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! دوس کو ہدایت عطا فرما"۔ نیز فرمایا: "اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، کیوں کہ یہ جانتے نہیں ہیں۔"

[1] شرح صحيح مسلم (٢/ ٣٢٤)

حدیث نبوی میں وارد بد دعائیہ کلمات کا درست مفہوم:

علامہ زبیدی رحمہ اللہ نے بھی امام ابو عبید سے نقل کیا ہے کہ «تَرِبَتْ يَدَاكَ» کے حدیث نبوی میں الفاظ فقر کی بد دعا کے لیے نہیں، بلکہ:

"وَلَكِنَّهَا كَلِمَةٌ جَارِيَةٌ عَلىٰ أَلْسِنَةِ الْعَرَبِ يَقُوْلُوْنَهَا وَهُمْ لَا يُرِيْدُوْنَ بِهَا الدُّعَاءَ عَلىٰ الْمُخَاطَبِ...الخ"[1]

"یہ اہلِ عرب کی زبانوں پر جاری ہو جاتا ہے، مگر وہ اس سے مخاطب پر بد دعا کا ارادہ نہیں کرتے۔"

یہ گویا بالکل اسی طرح ہے جیسے اہلِ عرب "لَا وَاللّٰهِ، بَلىٰ وَاللّٰهِ"، "نہیں اللہ کی قسم، ہاں اللہ کی قسم!" بلا تعمد کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یمینِ لغو قرار دیا ہے اور اس کا کفارہ نہیں رکھا۔ (سورۃ المائدۃ: ۸۹)

اسی طرح «تَرِبَتْ يَدَاكَ»، «لَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَه» وغیرہ کے الفاظ بھی اسی محاورۂ عرب کے مطابق ہیں، اس سے بد دعا مقصود نہیں ہوتی، جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ یہی بات علامہ ابن بطال نے فرمائی ہے کہ اس سے بد دعا مراد نہیں ہوتی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی اچھا شعر کہے تو شاعر کے بارے میں کہتے ہیں: "قَاتَلَهُ اللّٰهُ لَقَدْ أَجَادَ" "اللہ اسے ہلاک کرے، اس نے بہت عمدہ شعر کہا۔"[1]

ایک سبق آموز واقعہ:

امام عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت مسور بن مَخرمہ نے بتلایا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں وفد لے کر گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی ضرورت پوری کر دی۔ پھر انھوں نے انھیں علاحدہ بلا کر فرمایا: مسور! حکمرانوں پر

[1] تاج العروس (۱/ ۱۵۷)

تمھارے طعن و تشنیع کا کیا بنا؟ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس بات کو چھوڑیں اور جس مقصد کے لیے ہم آئے ہیں، اس کے بارے میں حسنِ سلوک روا رکھیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یوں نہیں، آپ اپنے دل کی بات کہیں اور مجھ پر تم جو عیب لگاتے ہو، وہ بتلائیں۔ حضرت مسور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے بارے میں جو کہتا تھا اس میں سے کسی بات کو نہ چھوڑا، سب ان کے سامنے کہہ دیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گناہ سے کوئی بچا ہوا نہیں، مگر اے مسور! جو لوگوں کی اصلاح کے لیے میں نے کیا ہے، کیا اسے کوئی وقعت دیتے ہو؟ نیکی کا بدلہ تو دس گنا ہے۔ یا تم گناہوں کو تو شمار کرتے ہو مگر نیکیوں کو نظر انداز کر دیتے ہو؟ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! ہم تو صرف گناہوں کو دیکھتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اپنی ہر غلطی کا اعتراف کرتے ہیں جو ہم سے سرزد ہوئی، مگر اے مسور! کیا آپ سے اپنے خاص لوگوں کے بارے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی کہ جسے اگر اللہ تعالیٰ معاف نہ کرے تو آپ کو اپنی ہلاکت کا خوف ہو؟ انھوں نے فرمایا: ہاں! ہم سے ایسی غلطیاں ہوئی ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر آپ کو اپنے بارے میں مجھ سے زیادہ مغفرت کی امید کیوں ہے؟ اللہ کی قسم! میں آپ سے بڑھ کر اصلاح کی کوشش میں رہتا ہوں۔ اگر مجھے اللہ کی فرماں برداری اور اس کی نافرمانی میں سے انتخاب کا اختیار ہو تو میں ضرور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کو ترجیح دوں گا۔ ہم ایسے دین پر ہیں جس میں عمل کو اللہ قبول کرتا ہے۔ نیکی کی جزا دیتا ہے اور غلطی کی سزا دیتا ہے، البتہ اللہ جسے چاہے معاف کر دیتا ہے، میں نے جو بھی نیکیاں کی ہیں، مجھے ان سے کئی گنا اجر کی امید ہے اور میں ان بڑے بڑے امور کو سامنے رکھتا ہوں جنھیں نہ میں شمار کر سکتا ہوں

---

(1) شرح صحيح البخاري لابن بطال (٩/ ٣٢٩)

اور نہ آپ، جیسے اللہ کی رضا کے لیے اقامتِ صلاۃ کا نظام، اللہ کی راہ میں جہاد، اللہ کے نازل کردہ نظام کا نفاذ اور اسی نوعیت کے دوسرے اعمال جنھیں میں ذکر کروں تو آپ شمار نہ کر پائیں۔ حضرت مسور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے معلوم ہوگیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سب کچھ بیان کر کے مجھ پر غالب آ گئے ہیں۔

حضرت عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت مسور رضی اللہ عنہ جب بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے تو ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے۔[1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کرنے والے باتونی جس قدر باتیں کرتے اور پھیلاتے ہیں ان تمام کا جواب علمائے امت ـ تَقَبَّلَ اللّٰهُ جُهُودَهُم ـ اپنی تصانیف میں دے چکے ہیں جن کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ طعن کرنے والے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر طعن سے اجتناب نہیں کرتے جنھیں خلفائے راشدین ہونے کا شرف حاصل ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو ان سے درجہ و مرتبہ میں کم ہیں اور خلافتی امور میں بھی وہ پوزیشن نہیں رکھتے جو خلفائے راشدین کی تھی۔ یہ اپنا اپنا نصیب ہے کہ کچھ کے حصے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق طعنہ زنی اور عیب چینی ہے تو ہم فقراء کے حصے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پردہ پوشی اور ان کا دفاع ہے کہ جس عظیم ہستی کے وہ ساتھی ہیں اسی نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ.

اپنا اپنا ہے مقدر اپنا اپنا ہے نصیب

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور امام نسائی رحمہ اللہ:

بعض حضرات یہ بات بھی بڑے شدّ و مدّ سے ذکر کرتے ہیں کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں کوئی حدیث نہیں۔ وہ

[1] تاریخ بغداد (۱/ ۲۲۳) مصنف عبدالرزاق (۱۱/ ۳٤٤ـ ۳٤٥)

اپنے آپ کو باز پرس سے بچائیں، یہی ان کے لیے کافی ہے۔

مگر یہ بھی محلِ نظر ہے، کیونکہ علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے امام نسائی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام نسائی رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سوئے ظن رکھتے تھے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں امام نسائی رحمہ اللہ کا فرمان:

اس کے بعد انھوں نے امام نسائی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جب ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

"إِنَّمَا الْإِسْلَامُ كَدَارٍ لَهَا بَابٌ، فَبَابُ الْإِسْلَامِ الصَّحَابَةُ، فَمَنْ آذٰى الصَّحَابَةَ إِنَّمَا أَرَادَ الْإِسْلَامَ، كَمَنْ نَقَرَ الْبَابَ إِنَّمَا يُرِيْدُ دُخُوْلَ الدَّارِ، قَالَ: فَمَنْ أَرَادَ مُعَاوِيَةَ فَإِنَّمَا أَرَادَ الصَّحَابَةَ"[1]

"اسلام کی مثال گھر کی ہے جس کا ایک دروازہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسلام کا دروازہ ہیں۔ جو کوئی صحابہ کو ایذا پہنچاتا ہے اس کا ارادہ اسلام کو ہدف بنانے کا ہے۔ جیسے کوئی گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو وہ گھر میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسی طرح جو معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتا ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

امام نسائی رحمہ اللہ کی یہی بات علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "ترتيب المدارك" (۱/ ۳۳) میں بھی ذکر کی ہے، لہٰذا اگر امام نسائی رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں کوئی حدیث صحیح نہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ کسی اور نے بھی ان کی منقبت میں کسی حدیث کو تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی امام نسائی رحمہ اللہ کے اس انکار سے

[1] التهذيب للمزي (۱/ ۱۵۸) تاريخ دمشق (۷۱/ ۱۷۵)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کا جواز ثابت ہوتا ہے، بلکہ امام نسائی سے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع منقول ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے پردہ اور دروازہ ہے:

یہی بات امام وکیع بن جراح اور امام ابوتوبہ ربیع بن نافع الحلبی رحمہ اللہ وغیرہ نے کہی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بہ منزلہ پردہ کے ہیں۔ جب آدمی پردہ کھول دیتا ہے تو اس سے ماورا پر جری اور دلیر ہو جاتا ہے۔ [1] بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تو اس شخص کو کوڑوں کی سزا دیتے ہیں جو معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتا تھا۔ [2]

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہمارے نزدیک باعثِ امتحان ہیں۔ ہم جس کو دیکھتے ہیں کہ وہ انھیں ترچھی نگاہ سے دیکھتا ہے تو ہم اسے صحابہ کرام کے بارے میں جھوٹ بولنے والا سمجھتے ہیں۔ [3]

معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان بہ زبان ابن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ایک وتر پڑھتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: چھوڑو، اعتراض نہ کرو، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ نیز فرمایا کہ وہ فقیہ ہیں۔ [4]

بلکہ "مصنف ابن ابی شیبہ" (۲/۲۹۲) میں ہے: "أَصَابَ السُّنَّةَ" کہ "انھوں نے سنت کے مطابق عمل کیا ہے۔" جس سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں ان کے مقام و مرتبے کا پتا چلتا ہے۔

---

[1] ابن عساکر (۵۹/ ۲۰۹۔ ۲۱۰) تاریخ بغداد (۱/ ۲۰۹) البداية والنهاية (۸/ ۱۳۹)

[2] البداية والنهاية (۸/ ۱۳۹) تاريخ ابن عساكر (۵۹/ ۲۱۱)

[3] تاريخ دمشق (۵۹/ ۲۰۹)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (۳۷٦٤، ۳۷٦٥)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"مَا رَأَيْتُ رَجُلًا كَانَ أَخْلَقَ لِلْمُلْكِ مِنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ"[1]

"میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کے کسی کو حکمرانی کا حق دار نہیں دیکھا۔"

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ لو تو تم کہو کہ یہ مہدی ہیں۔[2]

یہی قول امام مجاہد رحمہ اللہ کے تلمیذ، جنھوں نے امام مجاہد کا مذکورۃ الصدر بیان نقل کیا ہے، امام سلیمان اعمش کا ہے اور امام الخلال نے یہی قول "السنة" (٦٥١) میں امام قتادہ سے بھی نقل کیا ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان بہ زبان ابو الدرداء رضی اللہ عنہ:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کی نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی طرح نہیں دیکھتا۔[3] علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کے راوی صحیح (بخاری) کے راوی ہیں سوائے قیس بن الحارث کے اور وہ بھی ثقہ ہے۔[4]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "منهاج السنة" (٣/ ١٨٥) میں یہ روایت معجم البغوی اور ابن بطہ سے نقل کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دینی بصیرت اور ان کی نماز کے بارے میں صحابہ کی شہادت!

معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان بہ زبان ابن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بسندِ حسن منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا:

---

[1] السنة للخلال (٦٦٠) مصنف عبدالرزاق (١١/ ٤٥٣، رقم: ٢٠٩٨٥)

[2] السنة للخلال (٦٥٢) المعجم للبغوي (٥/ ٣٦٨) طبراني (١٩/ ٣٠٨، رقم: ٦٩١)

[3] مسند الشاميين (١/ ١٦٨) طبرانی، الفوائد المنتقاة للسمرقندي (ص: ٦٣)

[4] مجمع الزوائد (٩/ ٣٥٧)

"مَا رَأَيْتُ أَحَداً بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَسْوَدَ مِنْ مُعَاوِيَةَ"[1]

"میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر سیادت کے لائق کسی کو نہیں دیکھا۔"

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اسوَد" سے سب سے بڑا سخی مراد ہے۔ ایک بار فرمایا کہ اس کے معنی ہیں: سخاوت کرنے والا، حلیم۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہلِ مدینہ کو عطیہ دیا کہ پہلے کسی خلیفہ نے اتنا نہیں دیا۔[2] ایک روایت میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ تمام لوگوں سے بڑھ کر حلیم تھے۔[3] اور ان کے حلم و بردباری کے واقعات تو حدِ شہرت کو پہنچے ہوئے ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان بہ زبان سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"مَا زَالَ بِيْ مَا رَأَيْتُ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ فِيْ الْفِتْنَةِ، حَتّٰى أَنِّي لَأَتَمَنّٰى أَن يَّزِيدَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مُعَاوِيَةَ مِنْ عُمْرِيْ فِيْ عُمْرِهِ"[4]

"میں فتنے کے دور میں لوگوں کے حالات کا جائزہ لیتی رہی، تب میں تمنا کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میری عمر میں سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی عمر میں اضافہ فرما دے۔ یعنی میری کچھ عمر انھیں دے دی جائے۔"

فقہ و افتاء میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام:

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے انھیں ان صحابہ میں ذکر کیا ہے

---

[1] السنة للخلال (٦٦٢، ٦٦٤، ٦٦٥) معجم الصحابة للبغوي (٥/ ٣٦٩) تاريخ ابن عساكر (٥٩/ ١٧٣) وغيره

[2] السنة للخلال (٦٧٨، ٦٧٩)

[3] السنة للخلال (٦٨١) وغيره.

[4] الطبقات لأبي عروبة الحراني (ص:٤١)

جو عہدِ صحابہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔[1] امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی انھیں صاحب فقہ و علم لکھا ہے۔[2] علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے امام بیہقی رحمہ اللہ کی سند سے بواسطہ جعفر بن محمد اور وہ قاسم بن محمد سے اور انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّى الْأَمِيْرُ جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا»

''جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔''

امام قاسم رحمہ اللہ یہ روایت بیان کر کے فرماتے ہیں: ''فَتَعَجَّبَ النَّاسُ مِنْ صِدْقِ مُعَاوِيَةَ''، ''لوگوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی سچائی پر تعجب کیا۔''

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فَهٰذَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِنِ الصَّادِقُ يَرْوِيهِ وَيُصَدِّقُ الْقَاسِمَ ابْنَ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ فِيْمَا يَحْكِيْهِ مِنْ تَصْدِيْقِ النَّاسِ مُعَاوِيَةَ، وَالنَّاسُ إِذْ ذَاكَ مَنْ بَقِيَ مِنَ الصَّحَابَةِ ثُمَّ أَكَابِرِ التَّابِعِيْنَ، وَنَحْنُ نَزْعُمُ أَنَّهُ كَانَ مَنْسُوْخاً''[3]

''یہ جعفر صادق رحمہ اللہ ہیں جو قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں اور اس کی بھی تصدیق کرتے ہیں جو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں سے نقل کرتے ہیں اور اس وقت لوگ باقی ماندہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پھر اکابر تابعین تھے۔ مگر ہمارا خیال یہ تھا کہ یہ حکم منسوخ ہے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اور امام قاسم رحمہ اللہ کا بیان ''مصنف ابن

---

[1] جوامع السير (ص: ٣١٩) الإحكام (٤/ ١٧٦) أعلام الموقعين (١/ ١٠)

[2] الأم للشافعي (٤/ ١٤)

[3] تاريخ ابن عساكر (٥٩/ ١٦٦)

أبي شيبة" (٢/ ٣٢٧)، "طبراني" (١٩/ ٧٦) وغیرہ میں بھی منقول ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے "الصحیحة" (١٣٦٣) میں ذکر کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے:

"مَا كَانَ مُعَاوِيَةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ مُتَّهَماً"[1]

''معاویہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرنے میں متہم نہیں۔''

تابعین عظام تو کجا حضرت ابن عباس، ابوسعید خدری، ابوامامہ، جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے:

"مُعَاوِيَةُ لَا يُتَّهَمُ فِيْ الْحَدِيْثِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ"[2]

''معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے میں متہم نہیں ہیں۔''

اس بات کا اعتراف علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ نے العواصم میں بھی کیا ہے، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

"وَلِذٰلِكَ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ فِيْ سُنَنِهٖ، وَقَدْ رَوٰى حَدِيْثاً عَنْ مُعَاوِيَةَ، ثُمَّ قَالَ: وَلَمْ يَكُنْ مُعَاوِيَةُ يُتَّهَمُ فِيْ الْحَدِيْثِ، وَلَمْ يُنْكِرْ هٰذَا الْقَوْلَ عَلَيْهِ أَحَدٌ مِّنْ أَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ"[3]

''اسی لیے امام ابو داود رحمہ اللہ نے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی (حدیث، رقم: ٤١٢٩) روایت نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حدیث میں

---

[1] المعجم للبغوي (٥/ ٣٧٨) مسند أحمد (٤/ ٩٥۔١٠٢) طبراني (١٩/ ٣١٠)

[2] العلل لأحمد (٣/ ٢٨٥) المسند (٤/ ٩٣) التاريخ الكبير للبخاري (٧/ ٣٢٨) السنة للخلال (٦٥٨)

[3] العواصم (١/ ٦٢٤)

متہم نہیں۔ اس قول پر ائمہ حدیث میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔‘‘

مگر اس بحث میں علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ کے اوہام میں سے ایک وہم یہ بھی ہے کہ انھوں نے اس کا انتساب امام ابو داود رحمہ اللہ کی طرف کیا ہے، جبکہ یہ قول امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ روایت امام ابو داود رحمہ اللہ کے واسطے ہی سے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حدیث میں متہم نہیں۔[1] امام احمد نے بھی ’’مسند أحمد‘‘ (٤/ ٩٣) میں یہ ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول قرار دیا ہے۔

علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی اختلافات کے متعلق درست موقف:

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین ہونے والے مشاجرات کے بارے میں اپنے تبصرے کے بعد فرماتے ہیں:

’’وَاتَّفَقَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلٰى وُجُوبِ الْكَفِّ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ وَالْإِمْسَاكِ عَنْ مَّسَاوِيهِمْ وَإِظْهَارِ فَضَائِلِهِمْ وَمَحَاسِنِهِمْ وَتَسْلِيمِ أَمْرِهِمْ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى مَا كَانَ جَرٰى مِنْ اِخْتِلَافِ عَلِيٍّ وَطَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ وَعَائِشَةَ وَمُعَاوِيَةَ عَلٰى مَا قَدَّمْنَا بَيَانَهُ‘‘[2]

’’اہلِ سنت اس پر متفق ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات اور ان کی کمزوریوں پر خاموشی اختیار کرنا، ان کے فضائل اور خوبیوں کو بیان کرنا اور حضرت علی، طلحہ، زبیر، عائشہ اور معاویہ رضی اللہ عنہم کے مابین جو اختلاف ہوا، اسے اللہ کے سپرد کرنا واجب ہے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔‘‘

---

[1] السنن الكبرىٰ (١/ ٢٢)

[2] الغنية (١/ ٧٩)

اور امام غزالی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے:

''اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تزکیہ تسلیم کیا جائے اور سب کی تعریف کی جائے، جیسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جو کچھ رونما ہوا، وہ اجتہاد پر مبنی تھا۔'' الخ [1]

مشاجرات کی بنا پر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنا رافضیت کا شاخسانہ ہے:

اس اعترافِ حقیقت کے بعد سید ابن ابی القاسم زیدی کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایات پر اعتراض کے جواب میں علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ کا انداز اور ان کے شواہد و متابعات کا ذکر محض تکلف اور معذرت خواہانہ انداز کا آئینہ دار ہے۔ یہی اسلوب ان کا حضرت مغیرۃ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایات کے حوالے سے بھی ہے۔ سید زیدی اپنے عقیدے کے مطابق ان حضرات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محاربات کی وجہ سے فاسق کہتا ہے اور صحیحین میں ان کی روایات پر معترض ہے، اسی تناظر میں علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ نے ان اعتراضات کا جواب دیا اور محدثین کی طرف سے ایک جواب یہ دیا ہے:

"أَمَّا أَهْلُ الْحَدِيْثِ فَمَذْهَبُهُمْ أَنَّهُمْ مِّنْ أَهْلِ التَّاوِيْلِ وَالْاِجْتِهَادِ وَالصِّدْقِ لِكَوْنِهِمْ أَظْهَرُوْا التَّاوِيْلَ فِيْمَا يَحْتَمِلُهُ... الخ" [2]

''اہلِ حدیث کا مذہب یہ ہے کہ صحابہ اہلِ تاویل و اجتہاد اور سچے تھے، کیونکہ انھوں نے محتمل امور میں تاویل کی ہے۔''

یہی بات انھوں نے ''تنقیح مع التوضیح'' (۲/ ۴۴۳) اور ''الروض الباسم'' (۱/ ۱۳۱) میں نقل کی ہے، بلکہ ''العواصم'' (۱/ ۲۲۳) میں کہا ہے کہ

[1] إحياء العلوم (۱/ ۱۲۰)

[2] الروض الباسم (۲/ ۱۱۳)

جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ انھوں نے اپنے محاربین سے کفار کا سا معاملہ نہیں کیا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی تاویل نہ ہوتی تو وہ انھیں کافر قرار دیتے۔ (ملخصاً)

یہی بات محدثین اور ائمہ سلف نے فرمائی ہے کہ ان کی باہمی لڑائیاں تاویل و اجتہاد پر مبنی ہیں، اس لیے ان حروب کی بنا پر انھیں فاسق یا ساقط العدالت قرار دینا درست نہیں۔ ان امور کے باعث ان پر تنقید خارجیوں، معتزلیوں اور رافضیوں کی ہمنوائی ہے۔ اہلِ سنت اس سے بحمد اللہ بری الذمہ ہیں۔ یہ ایک مسلمہ اصولی مسئلہ ہے۔ اس کے بعد دیگر اعذار جنھیں علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے محض تکلف کا نتیجہ ہیں اور زیدیوں کو مطمئن کرنے کی کوشش۔

عظمتِ معاویہ رضی اللہ عنہ بہ زبانِ ائمہ حدیث:

ہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ باتیں اس لیے ذکر کی ہیں کہ وہ بہر حال صحابیِ رسول ہیں، انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتے داری کا بھی شرف حاصل ہے اور وہ آپ کے کاتب بلکہ کاتبِ وحی بھی تھے۔ بعض نے اگر ان کی منقبت کی روایات سے انکار کیا ہے تو بعض دیگر حضرات نے ان کے فضائل و مناقب پر بھی کتابیں لکھی ہیں اور ان ہی میں سے ایک مشہور محدث امام ابن ابی عاصم رحمہ اللہ ہیں۔ اسی طرح امام ابوعمر غلام ثعلب رحمہ اللہ نے ان کے مناقب پر کتاب لکھی۔ امام ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے "حلمِ معاویہ" پر مستقل رسالہ لکھا ہے، بلکہ امام ابوعمر رحمہ اللہ کے پاس جو تلامذہ پڑھنے کے لیے آتے جب تک پہلے وہ یہ کتاب نہ پڑھ لیتے کسی کو کوئی چیز نہیں پڑھاتے تھے۔[1]

اسی طرح ابو الحسن عبد الرحمٰن الجوبری رحمہ اللہ اس وقت تک اپنے کسی تلمیذ کو

[1] تاریخ بغداد (٢/ ٣٥٦) السیر (١٥/ ٥١٠)

حدیث نہیں لکھواتے تھے جب تک وہ اس سے پوچھ نہ لیتے کہ تیرا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں موقف کیا ہے؟ اگر انھیں صحابی تسلیم کرتا اور ان کے لیے رحمت کی دعا کرنے کا اعتراف کرتا تو اسے حدیث سناتے۔[1]

امام ابو الفتح القواس رحمہ اللہ کی کتابوں میں ایک جزء فضائلِ معاویہ پر مشتمل تھا، ایک چوہے نے اسے کاٹ کھایا، امام قواس مستجاب الدعوات تھے، انھوں نے چوہے کے بارے میں بد دعا کی تو وہ چھت سے گر کر مر گیا۔[2] اسی طرح ابو الفتح ابن ابی الفوارس (المتوفی ۴۰۶ھ) اور ابو القاسم السقطی (المتوفی ۴۰۶ھ) وغیرہ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل جمع کیے ہیں جس سے ائمہ اہلِ سنت کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تاثرات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف کا سبب:

بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام معاملات میں مسابقت کا شرف وفضل حاصل ہے۔ اس اعتبار سے دونوں کے تقابل کو ہم بہرنوع درست نہیں سمجھتے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نہ شرفِ صحبت کا انکار تھا اور نہ ہی اپنے ساتھ تنازعات میں وہ ان کو فاسق سمجھتے تھے، بلکہ اس معاملے میں انھیں مجتہد اور متاول قرار دیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات و مراسلات پر مبنی کتاب نہج البلاغہ میں، جو روافض کے ہاں معتبر ترین کتاب ہے، منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے نزاع کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] السير (١٧/ ٤١٥) الفيصل في مُشْتَبَهِ النِّسْبَةِ لِأَبِيْ بَكْر الْحَازِمِي (٢/ ٤٨٠)

[2] السير (١٦/ ٤٧٥)

"وَكَانَ بَدْءُ أَمْرِنَا إِنَّا الْتَقَيْنَا وَالْقَوْمُ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَنَبِيَّنَا وَاحِدٌ، وَدَعْوَتَنَا فِي الْإِسْلَامِ وَاحِدَةٌ، لَا نَسْتَزِيْدُهُمْ فِي الْإِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَالتَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِهِ ﷺ وَلَا يَسْتَزِيْدُوْنَنَا، اَلْأَمْرُ وَاحِدٌ إِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيْهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَنَحْنُ مِنْهُ بُرَآءُ"[1]

''ہمارے واقعہ کی ابتدا یوں ہوئی کہ ہم اور اہلِ شام کی ایک قوم اکٹھے ہوئے۔ ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک، ہمارا نبی ایک، ہماری دعوتِ اسلام ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق میں ہم ان سے بڑھے ہوئے نہیں ہیں اور نہ ہی وہ ہم سے بڑھے ہوئے ہیں۔ ہمارا اور ان کا معاملہ ایک ہے مگر ہمارا باہم اختلاف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے معاملے میں ہوا ہے اور ہم اس سے بری الذمہ ہیں۔''

اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسے کفر و اسلام کا مسئلہ نہیں سمجھتے تھے اور انھیں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبے کا انکار نہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے نتیجے میں بات طول پکڑ گئی جو زبان و بیان سے بڑھ کر تیر و تلوار تک جا پہنچی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس پر پریشان تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی۔ رضی اللہ عنہم

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تواضع و انکساری ہے کہ وہ دین میں اپنے آپ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے برابر سمجھتے تھے، ورنہ ان کا جو مقام و مرتبہ ہے وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں، بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی انھیں اپنے سے بہرحال افضل سمجھتے تھے اور ان کے مقابلے میں اپنی برتری کا کوئی شائبہ اپنے دل میں نہیں پاتے تھے۔

---

[1] نهج البلاغة (٤/ ١٦١) مع شرح ابن أبي الحديد من كتاب له عليه السلام إلىٰ أهل الأمصار يقتص فيه ما جرىٰ بينه وبين أهل الصفّين.

معاویہ رضی اللہ عنہ کا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اعتراف:

حضرت ابومسلم خولانی ایک جماعت کے ہمراہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملے تو ان سے کہا:

"أَنْتَ تُنَازِعُ عَلِيًّا أَمْ أَنْتَ مِثْلُهُ؟ فَقَالَ: وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّهُ خَيْرٌ مِّنِّي وَأَفْضَلُ وَأَحَقُّ بِالْأَمْرِ مِنِّي"[1]

"آپ حضرت علی سے جھگڑتے ہیں۔ کیا آپ ان جیسے ہیں؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے بہتر اور افضل ہیں اور خلافت کے مجھ سے زیادہ حق دار ہیں۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ قول "فتح الباري" (١٣/ ٨٦) میں نقل کیا ہے اور اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیوں لڑتے ہیں؟ وہ آپ سے اور آپ کے والد سے پہلے مسلمان ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت داری میں بھی وہ آپ سے زیادہ ہیں اور وہ خلافت میں بھی آپ سے زیادہ حق دار ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بارے میں لڑتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو پناہ دے رکھی ہے، انھیں کہیں کہ وہ قاتلین سے قصاص دلا دیں، میں اہلِ شام میں سب سے پہلے ان کی بیعت کرلوں گا۔[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف سے فائدہ اٹھا کر قیصرِ روم نے جب مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے لکھا:

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ١٢٩) السير (٣/ ١٤٠) عقيدة السفاريني (٢/ ٣٦٨) تاريخ دمشق (٥٩/ ١٣٢)

[2] البداية والنهاية (٧/ ٢٦٠)

"وَاللّٰهِ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ وَتَرْجِعْ إِلىٰ بِلَادِكَ يَا لَعِيْنُ! لَأَصْطَلِحَنَّ أَنَا وَابْنُ عَمِّي عَلَيْكَ وَلَأُخْرِجَنَّكَ مِنْ جَمِيْعِ بِلَادِكَ وَلَأُضَيِّقَنَّ عَلَيْكَ الْأَرْضَ بِمَا رَحُبَتْ"[1]

"اے لعین! اللہ کی قسم تو اگر باز نہ آیا اور اپنے علاقے میں واپس نہ گیا تو میں اپنے چچیرے بھائی (علی رضی اللہ عنہ) سے صلح کر کے تیرے خلاف نکلوں گا۔ پھر تجھے تیرے تمام شہروں سے نکال دوں گا اور تجھ پر زمین اپنی فراخی کے باوجود تنگ کر دوں گا۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قیصرِ روم اس خط سے خوف زدہ ہوا اور واپس پلٹ گیا۔ یہ مکتوب بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی باہمی لڑائی کسی ذاتی دشمنی کی بنا پر نہیں تھی۔

علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اظہارِ غم:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خبرِ شہادت جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آب دیدہ ہو گئے۔ ان کی اہلیہ نے کہا: آپ ان سے لڑتے رہے ہیں اور آج خبرِ وفات سن کر رو رہے ہیں؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"وَيْحَكِ إِنَّكِ لَا تَدْرِيْنَ مَا فَقَدَ النَّاسُ مِنَ الْفَضْلِ وَالْفِقْهِ وَالْعِلْمِ"[2]

"تجھ پر افسوس! تو نہیں جانتی کہ لوگوں کا فضیلت، فقہ اور علم میں کتنا نقصان ہوا ہے۔"

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ١١٩) تاج العروس (٧/ ٢٠٨)

[2] البداية والنهاية (٨/ ١٣٠)

معاویہ رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کی باہمی محبت اور احترام:

حضرت علی رضی اللہ عنہ تو کجا جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملتے تو فرماتے:

"مَرْحَباً يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَهْلًا"[1]

"رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے! خوش آمدید۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تو انھوں نے فرمایا:

"لَوْ لَمْ يَكُنْ لَّكَ فَضْلٌ عَلٰى يَزِيْدَ إِلَّا أَنَّ أُمَّكَ امْرَأَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ، وَأَمَّهُ امْرَأَةٌ مِنْ كَلْبٍ، لَكَانَ لَكَ عَلَيْهِ فَضْلٌ، فَكَيْفَ وَأُمُّكَ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ"[2]

"آپ کو یزید کے مقابلے میں یہی فضیلت کافی ہوتی کہ آپ کی ماں قریشی ہے اور اس کی ماں بنو کلب کی عورت ہے، مگر آپ کی اماں تو (قریشی ہونے کے ساتھ ساتھ) رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ ہیں۔"

اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کیا ان کے پورے گھرانے کو اپنے اور اپنی آل اولاد سے افضل سمجھتے ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کا تواضع وانکسار:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرض الموت میں عبداللہ بن یزید بن اسد حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں۔ انھوں نے کہا: امیر المومنین! آپ کیوں روتے ہیں؟ اگر فوت ہو گئے تو جنت میں جائیں گے اور اگر زندہ رہے تو لوگوں کو آپ کی ضرورت ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کے والد

---

[1] الشريعة (٥/ ٢٤٦٨)

[2] الشريعة للآجري (٥/ ٢٤٧٠) بسند حسن

پر رحمت فرمائے، وہ مجھے نصیحت کرتے تھے اور حجر بن عدی کے قتل سے روکتے تھے۔[1]

بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ زندگی میں مختلف آزمائشوں میں مبتلا ہوئے، عملاً اور قولاً بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب و رفقاء کے بارے میں انھوں نے اقدام کیا۔ جب تلواریں ہی چل نکلیں تو زبان سے حرف زنی کیونکر رک سکتی تھی، لیکن بالآخر انھیں اس کا احساس ہوا۔ وہ قیامت کے مؤاخذہ سے لرزہ براندام ہوتے اور اپنے آخری ایام میں اپنے رب کریم سے عرض کرتے تھے:

"اے میرے اللہ! میری خطا معاف فرما، لغزش سے درگزر فرما، اپنے حلم سے میری نادانی پر درگزر فرما، جس کی امید تیرے سوا کسی اور سے نہیں۔ تجھ سے بچ کر بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں۔"

وہ اپنا چہرہ زمین پر رکھ کر کہتے تھے:

"اے اللہ! آپ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ "اللہ اس کو نہیں بخشتا جس نے اس سے شرک کیا، اس کے علاوہ وہ جسے چاہے گا بخش دے گا۔" اے اللہ! مجھے ان میں سے کر دے جن کو تو بخشنا چاہتا ہے۔"[2]

ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک اور ناخن مبارک تھے، فوت ہونے سے پہلے انھوں نے فرمایا کہ میں جب فوت ہو جاؤں تو یہ میرے منہ اور ناک میں رکھ دینا۔ (ایضاً)

معاویہ رضی اللہ عنہ کی بابت ایک مسلمان کا طرزِ عمل:

اس لیے اگر بشری تقاضے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراضی کے باعث ان سے کچھ باتیں سرزد ہوئیں تو ہمیں ان کے آخری وقت کی دعاؤں کی بدولت، صحابی ہونے

[1] الزهد لابن المبارك، الإصابة (٦/ ٣٣٦)

[2] البداية والنهاية (٨/ ١٤٢) السير (٣/ ١٥٨) وغيره

اور رسول اللہ ﷺ سے قرابت داری کی بنا پر ان کے حسن خاتمہ پر ہی یقین رکھنا چاہیے اور ان کے معاملے میں کفِ لسان پر عمل کرنا چاہیے، جیسا کہ سلف کے حوالے سے ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ مزید ضروری تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف کا موقف'' ملاحظہ فرمائیں۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں امام سعید بن میتب سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

''اِسْمَعْ يَا زُهْرِيُّ! مَنْ مَّاتَ مُحِبًّا لِأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ، وَشَهِدَ لِلْعَشْرَةِ بِالْجَنَّةِ وَتَرَحَّمَ عَلٰى مُعَاوِيَةَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَلَّا يُنَاقِشَهُ الْحِسَابَ''[1]

''زہری! سنو، جو ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے محبت کرے، عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کی شہادت دے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے رحمت کی دعا کرے، اللہ تعالیٰ کے لیے لازم ہے کہ اس سے حساب کتاب نہ لے۔''

معاویہ رضی اللہ عنہ کی جہادی مساعی کے متعلق رافضی پروپیگنڈا:

یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں کہ پورا اسلام ان کی امارت میں متفق و متحد رہا اور سندھ سے روم تک کے علاقے اسلامی ریاست میں شامل ہوئے، مگر افسوس کہ بعض رفض و تشیع زدہ حضرات، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو اسلامی فتوحات اور جہاد کا دور قرار دینے میں بھی لیت ولعل سے کام لیتے ہیں، بلکہ کہتے ہیں کہ ''خلفائے راشدین کے بعد کا جہاد کوئی اسلامی جہاد نہیں۔ ملک چھیننا اگر اسلامی جہاد ہے تو ہلاکو اور چنگیز نے کم ملک فتح کیے ہیں۔'' نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.

[1] البداية (٨/ ١٣٩)

گویا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں ہونے والا جہاد، ہلاکو اور چنگیز خان جیسے کفار کی ملک گیری مہم کا مصداق ہے، حالانکہ صحیح بخاری میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَوَّلُ جَيْشٍ مِّنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا»[1]

''میری امت کا پہلا لشکر جو دریا کے راستے جہاد کرے گا ان پر مغفرت و جنت واجب قرار دے دی گئی ہے۔''

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا میں اس میں شامل ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَوَّلُ جَيْشٍ يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَّهُمْ»[2]

''مدینۂ قیصر پر سب سے پہلے فوج کشی کرنے والے لشکر کو بخش دیا گیا ہے۔''

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے (جو سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں) ان کے ہاں سے مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے خواب میں اپنی امت کے کچھ لوگوں کو دیکھا، وہ سمندر کے اندر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے اس طرح سوار ہیں گویا تختوں پر بادشاہ بیٹھتے ہیں۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کی: میرے لیے دعا کریں، اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شریک کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی کہ اے اللہ! اسے ان لوگوں میں شامل فرما دے۔ پھر آپ سر رکھ کر دوبارہ سو گئے۔ پھر ہنستے، مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے تو میں نے پوچھا: آپ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٩٢٤)

[2] السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (٢٦٨) حلية الأولياء (٢/ ٦٢) مسند الشاميين.

کیوں ہنس رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد کو جا رہے تھے اس طرح میرے سامنے لائے گئے جیسے بادشاہ تختوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ (ﷺ) دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی ان میں شریک کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پہلے لوگوں میں شریک ہو چکی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ یہ جہاد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیرِ امارت و قیادت ۲۸ھ میں ہوا۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اس لشکر میں شامل تھیں۔ جب لشکر دریا سے باہر نکلا تو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سواری سے گر گئیں اور اسی کے نتیجے میں ان کا انتقال ہو گیا۔[1]

حافظِ مغرب علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فِيهِ فَضْلٌ لِمُعَاوِيَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، إِذْ جَعَلَ مَنْ غَزَا تَحْتَ رَايَتِه مِنَ الْأَوَّلِيْنَ، وَرُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَحْيٌ"[2]

''اس حدیث میں حضرت معاویہ رحمہ اللہ کی فضیلت ہے، کیوں کہ اس میں ان کی کمان میں (بحری جہاد) کرنے والوں کو اولین قرار دیا ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔''[3]

غور فرمایا آپ نے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت و سیادت میں اس جہاد کے شرکاء کو رسول اللہ ﷺ نے ''غُزَاةٌ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ'' قرار دیا، مگر معاویہ رضی اللہ عنہ سے عداوت و بغض میں ہذیان میں مبتلا ان کی جہادی مہمات کو ہلاکو اور چنگیز خان کی ہوسِ ملک گیری سے تشبیہ دینے میں کس قدر بے باک ہیں!!

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۲۷۸۸، ۲۷۸۹، ۲۸۷۷، ۲۸۷۸)

[2] التمهيد (۱/ ۲۳۵)

[3] نیز دیکھیں: التمهيد (۱/ ۲۴۲)

معاویہ رضی اللہ عنہ نے جہاد کے لیے پہلا بحری بیڑا تیار کیا:

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ''دریا'' میں جہاد اور بحری بیڑے کی اجازت بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہی حاصل کی تھی اور انہی کی سرکردگی میں پہلا بحری بیڑا سمندر میں اترا جس کی بشارت خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی اور اس میں شریک ہونے والے خوش نصیب حضرات کے بارے میں فرمایا کہ ان پر جنت واجب قرار دے دی گئی ہے۔ اسی میں حضرت ام حرام شہید ہوئیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ۲۷ یا ۲۸ ھ میں قبرص کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔ ان کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت اور ان کی بیوی ام حرام بھی تھیں۔[1] ہشام بن الغاز کہتے ہیں کہ ام حرام رضی اللہ عنہا کی قبر قبرص میں ہے اور اہلِ قبرص کہتے ہیں: یہ نیک خاتون کی قبر ہے۔[2]

یہ حدیث حضرت معاویہ کی منقبت اور ان کے جنتی ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

قسطنطنیہ اور بلادِ افریقہ پر حملہ بھی عہدِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوا:

اسی طرح ''مدینہ قیصر'' کی طرف پہلا لشکر بھی ۳۲ یا ۳۳ھ میں حضرت معاویہ کی سربراہی میں روانہ ہوا، بلکہ ان کے دور میں رومی سرزمین پر سولہ مرتبہ پیش قدمی ہوئی اور مختلف علاقے بھی فتح ہوئے۔ گرمی اور سردی، دونوں موسموں میں یہ حملے جاری رہے، تاآنکہ قسطنطنیہ پر حملہ بھی ان ہی کے دور میں ہوا۔ ان جنگوں میں حضرت عبداللہ بن عمر، ابن عباس، ابو ایوب انصاری، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام بھی شریک ہوئے۔[3]

---

[1] الطبراني، مجمع الزوائد (۹/ ۲۶۳) اس کے راوی ہشام تک صحیح (بخاری) کے راوی ہیں۔

[2] البداية والنهاية (۷/ ۱۵۳، ۸/ ۱۱۸)

[3] البداية والنهاية (۷/ ۱۵۷، ۸/ ۱۳۳)

انھی کے عہد میں بلادِ افریقہ فتح ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی۔ افریقہ کے جنگلوں ہی میں تو حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور پھر درندوں اور وحشی جانوروں کو مخاطب ہو کر فرمایا تھا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام یہاں آ گئے ہیں، تم یہاں سے چلے جاؤ۔ تو تمام وحشی جانور اپنے بلوں سے نکل کر فرار ہو گئے اور وہاں کے لوگ یہ عجیب منظر دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔[1]

سرزمینِ روم پر جہادی حملے:

سرزمینِ روم ہی میں ایک مرحلے پر دریا عبور کرنے کے لیے حضرت ابو مسلم خولانی نے فرمایا تھا: اللہ کا نام لے کر گزر جاؤ۔ مسلمانوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے تو تمام لشکر صحیح وسلامت دریا سے گزر گیا اور پانی گھوڑوں کے گھٹنوں تک ہی پہنچ پایا۔ دریا سے گزرے تو حضرت ابو مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی کی کوئی چیز دریا میں تو نہیں گری؟ ایک ساتھی نے کہا: میرا توبرا گر گیا ہے۔ انھوں نے فرمایا: میرے پیچھے پیچھے آ ؤ، وہ دریا میں اتر گئے، توبرا لکڑیوں سے لگا ہوا تھا، انھوں نے فرمایا: لے لو توبرا۔[2]

روم کے ساتھ لڑائی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت، ان لڑائیوں میں صحابہ کرام کی شرکت اور ان کی تائیدِ ایزدی کے بعد کیا کوئی سلیم العقل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ان پیش قدمیوں کو معاذ اللہ ہلاکو کی پیش قدمی کی مانند قرار دے سکتا ہے؟!

معاویہ رضی اللہ عنہ اور خلافتِ اُموی میں جہادی تگ وتاز:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد کسی صحیح العقیدہ مسلمان کے لیے اس کی گنجایش باقی نہیں رہتی کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یا ان کی قیادت میں ان

---

① البداية والنهاية (٨/ ٤٥، ٢١٧) السير (٣/ ٥٣٣)

② البداية والنهاية (٦/ ٢٦١) السير (٤/ ١١)

مہمات کے بارے میں یہ تصور رکھے کہ ان کے دور میں جہاد نہیں ہوا، بلکہ ہوسِ ملک گیری تھی اور نہ ہی اس کے بعد مزید اس حوالے سے کچھ کہنے کی ضرورت ہے، تاہم ماضی قریب کے نامور مؤرخ مولانا قاضی اطہر مبارک پوری رحمہ اللہ نے عہدِ بنو امیہ میں ہونے والے جہاد کے بارے میں جو کچھ فرمایا اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ سے جو کچھ نقل کیا ہے، اس کا ذکر ہم ضروری خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موصوف رقم طراز ہیں:

''بنو امیہ کا تقریباً پورا دور جو اسلامی غزوات وفتوحات کا شان دار دور ہے، اس انداز میں گزرا ہے کہ جہاد وغزوات میں صحابہ وتابعین، تبع تابعین امیر لشکر ہوتے تھے اور ان کے ساتھ عُبَّاد، زہاد، صلحاء اور علماء و فضلاء کی بڑی جماعت ہوا کرتی تھی۔ (جس کے باقاعدہ انھوں نے حوالے دیے ہیں) جن کی برکات و تجربات، تعلیمات و ہدایات اور دعاؤں کے جلو میں اسلامی لشکر کے قدم آگے بڑھ رہے تھے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس دور کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

''كَانَتْ سُوْقُ الْجِهَادِ قَائِمَةً فِيْ بَنِيْ أُمَيَّةَ لَيْسَ لَهُمْ شُغْلٌ إِلَّا ذٰلِكَ، قَدْ عَلَتْ كَلِمَةُ الْإِسْلَامِ فِيْ مَشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَغَارِبِهَا، وَبَرِّهَا وَبَحْرِهَا، وَقَدْ أَذَلُّوا الْكُفْرَ وَأَهْلَهُ، وَامْتَلَأَتْ قُلُوْبُ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ رُعْبًا، لَا يَتَوَجَّهُ الْمُسْلِمُوْنَ إِلٰى قُطْرٍ مِّنَ الْأَقْطَارِ إِلَّا أَخَذُوْهُ، وَكَانَ فِيْ عَسَاكِرِهِمْ وَجُيُوْشِهِمْ فِيْ الْغَزْوِ الصَّالِحُوْنَ وَالْأَوْلِيَاءُ وَالْعُلَمَاءُ مِنْ كِبَارِ التَّابِعِيْنَ، فِيْ كُلِّ جَيْشٍ مِّنْهُمْ شِرْذِمَةٌ عَظِيْمَةٌ يَنْصُرُ اللّٰهُ بِهِمْ دِيْنَهُ''

''بنو امیہ کے دور میں جہاد کی گرم بازاری تھی، اس کے علاوہ ان کا کوئی

شغل نہیں تھا۔ اسلام کا کلمہ مشرق و مغرب اور بحر و بر میں بلند تھا۔ انھوں نے کفر اور کفار کو سرنگوں کر دیا تھا اور مشرکوں کے قلوب مسلمانوں کے رعب سے بھر گئے تھے۔ مسلمان جس علاقے میں چلے جاتے اس کو فتح کر لیتے اور غزوات میں ان کے ہر لشکر میں کبار تابعین، صلحاء، اولیاء اور علماء کی بڑی جماعت ہوتی تھی، ان کی ذات بابرکت سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فرماتا تھا۔''[1]

حافظ ابن کثیر نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''وَلَمْ تَزَلِ الْفُتُوْحَاتُ وَالْجِهَادُ قَائِماً عَلٰى مَسَاقِهٖ فِيْ أَيَّامِهٖ فِيْ بِلَادِ الرُّوْمِ وَالْفَرَنْجِ وَغَيْرِهِمَا'' حضرت معاویہ کے دور میں روم اور فرنگیوں کے شہروں میں ہمیشہ جہاد ہوتا رہا اور فتوحات ہوتی رہیں۔[2] مگر افسوس جن کے دلوں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف عناد ہے وہ اسے جہاد تسلیم کرنے کے لیے ہی تیار نہیں۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ رحمہما اللہ کے خلاف رافضی ہرزہ سرائی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے مقابلے میں حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام کے مابین تنازعات کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ کی رائے کی وجہ سے ان کے بارے میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا ہے:

> ''شاہ ولی اللہ اور ابن تیمیہ رحمہما اللہ نے بہت جھوٹ بولا۔ جھوٹی روایات کتابوں میں بھر دیں۔ ذرا خوفِ خدا نہ کیا۔ میرا دعویٰ ہے! آئیں شیخ الحدیث اور نکالیں کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ آخر میں پچھتاتے تھے کہ کاش میں پہلے فوت ہو گیا ہوتا۔ یہ سراسر جھوٹ ہے۔''

---

[1] تدوین سیر و مغازی (ص: ٥٩۔ ٦٠)

[2] البداية والنهاية (٩/ ١١١)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا مقام و مرتبہ کسی سے مخفی نہیں، اس کے باوصف ہم انھیں معصوم نہیں سمجھتے، مگر اس طرزِ تکلم کے بارے میں ہم کیا عرض کریں؟ آپ ہی انصاف سے کہیں یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

ہمیں اس جسارت پر کوئی تعجب نہیں، جو صاحب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کی جرأت کرتے ہیں ان سے ان اکابرِ امت پر یوں طعن و تشنیع کہ ''انھوں نے بہت جھوٹ بولا اور جھوٹی روایتیں کتابوں میں بھر دیں۔'' ہمارے لیے کچھ اجنبی نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا باہمی جنگوں پر پچھتاوے کا اظہار:

وہ ''جھوٹی روایتیں'' کون کون سی ہیں اور کتنی ہیں؟ کاش انھوں نے اس کی وضاحت کی ہوتی تو ہمیں ان کی خبر ہو جاتی، لیکن جس روایت کا انھوں نے ذکر فرمایا کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ آخر میں پچھتاتے تھے کہ کاش میں پہلے فوت ہو گیا ہوتا۔'' آیئے! اس روایت کو دیکھتے ہیں کہ کیا واقعی یہ جھوٹی روایت ہے؟

چنانچہ امام حارث رحمہ اللہ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں اور جنگ میں شریک نہ ہونے کی میری طرف سے معذرت کریں تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معذرت آپ کیا کریں گے، وہ میرے پاس کھڑے کہہ رہے تھے:

''يَا حَسَنُ! لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا بِعِشْرِيْنَ سَنَةً''[1]

''اے حسن! کاش میں اس سے بیس سال پہلے فوت ہو گیا ہوتا۔''

یہ روایت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''المطالب العالية'' (۳۵/ ۱٤٤، رقم: ٤٤٠٦) میں بھی ذکر کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ یہی قول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''منهاج السنة'' (۳/ ۱۸۰) میں بھی ذکر کیا ہے۔

[1] بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث (۲/ ۷٦۲، رقم: ۷٥۷)

یہی روایت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام مسدد رحمہ اللہ کی مسند سے بھی بیان کی ہے اور اس میں "عشرين سنة" کے بجائے "بكذا و كذا سنة" کے الفاظ ہیں اور اس کی سند بھی صحیح اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں جیسا کہ المطالب العالیہ کے محقق نے کہا ہے۔

علامہ بوصیری رحمہ اللہ نے یہی قول "إتحاف الخيرة" (۸/ ۱۷) میں بھی ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ یہ اثر "المصنف" (۱۵/ ۲۸۲۔ ۲۸۶)، امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ کی "كتاب الفتن" (۱/ ۷۸، ۸۰، ۹۹) امام احمد رحمہ اللہ کی "السنة" (۲/ ۵۵٦۔ ۵۸۹)، "طبراني كبير" (۱/ ۱۱۳۔ ۱۱٤)، "المستدرك" (۳/ ۳۷۳)، "السنة للخلال" (ص: ٤٧٤)، "البداية والنهاية" (۷/ ۲٤۱) میں مختلف اسانید سے مروی ہے اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے "مجمع الزوائد" (۹/ ۱۵۰) میں کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔

علامہ بوصیری رحمہ اللہ اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ وغیرہ کے اس اثر کی سند کو صحیح اور حسن قرار دینے کے بعد ضرورت تو نہیں رہتی کہ اس کے راویوں پر بحث کی جائے، تاہم رفعِ اشتباہ کی خاطر اور اس حقیقت کو مدلل طور پر مبرہن کرنے کے لیے اس کے راویوں کی پوزیشن قارئین کرام کے سامنے عرض کیے دیتے ہیں تا کہ نصف النہار کی طرح واضح ہو جائے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بارے میں یہ تاثر دینے والے خود کتنے ''سچے'' اور کس قدر ''خوفِ خدا'' رکھنے والے ہیں؟!

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "المطالب العالية" میں امام مسدد رحمہ اللہ کی مسند سے اس کی سند یوں نقل کرتے ہیں:

"حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنِي أَبُوْ عَوْنٍ عَنْ أَبِي الضُّحٰى قَالَ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرُدٍ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رضي الله عنهما: أَعْذِرْنِي

عِنْدَ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ، فَقَالَ الْحَسَنُ: لَقَدْ رَأَيْتُهُ يَوْمَ الْجَمَلِ وَهُوَ يَلُوْذُ بِيْ وَهُوَ يَقُوْلُ: وَدِدْتُّ أَنِّيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا بِكَذَا وَكَذَا سَنَةً"[1]

- اس سند کے پہلے راوی یحییٰ رحمہ اللہ ہیں جو معروف امام یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثِقَةٌ مُتْقِنٌ حَافِظٌ إِمَامٌ قُدْوَةٌ"[2]
- ان کے استاد امام شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثِقَةٌ حَافِظٌ مُتْقِنٌ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ الْحَدِيْثِ"[3]
- ان کے استاد ابوعون محمد بن عبداللہ الثقفی رحمہ اللہ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے: "ثِقَةٌ".[4]
- ان کے استاد ابوالضحی مسلم بن صبیح الہمدانی رحمہ اللہ تابعی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثِقَةٌ فَاضِلٌ".[5]

اور ان کے شیوخ میں سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کا ذکر موجود ہے۔[6]

یہی روایت امام حارث بن محمد بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں عبدالرحمٰن بن غزوان ابونوح قراد سے نقل کی، جیسا کہ "بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث" (رقم: ٧٥٧) میں اور "المطالب" (رقم: ٤٤٠٦) میں ہے۔ ابن ابی شیبہ (١٥/ ٢٨٨) نے ابواسامہ حماد بن اسامہ سے، نعیم بن حماد نے "الفتن" (١/ ٨٠)

---

1. المطالب العالية (٤٤٠٥)
2. تقريب التهذيب (ص: ٣٧٥)
3. تقريب التهذيب (ص: ١٤٥)
4. تقريب التهذيب (ص: ٣٠٩)
5. تقريب التهذيب (ص: ٣٣٥)
6. تهذيب التهذيب (٤/ ٢٠٠) وغيره

میں امام ابن المبارک سے، اور یہ تینوں حضرات امام شعبہ سے بیان کرتے ہیں، اس کے علاوہ بھی اس اثر کے مزید طرق محولہ کتب میں موجود ہیں۔

جنگِ جمل کے موقع پر علی رضی اللہ عنہ کا اظہارِ افسوس:

امام خطابی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ابوبکرہ نے فرمایا: جب یومِ جمل میں لڑائی نے شدت اختیار کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سروں کو گرتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے اپنے فرزند حسن رضی اللہ عنہ کو سینے سے لگایا اور فرمایا:

"إنا لِلّٰهِ يَا حَسَنُ أَيُّ خَيرٍ يُرْجىٰ بَعْدَ هَذَا؟"[1]

"اے حسن! انا للہ و انا الیہ راجعون، اس کے بعد کس خیر کی امید رکھی جا سکتی ہے؟"

عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ سے، جن کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے، بسند صحیح منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے:

"مَا زَالَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ يَذْكُرُ مَا لَقِيَ حَتّٰى بَكىٰ"[2]

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ جن حالات سے دوچار ہوئے انھیں یاد کر کے روتے تھے۔"

یہاں استیعاب مقصود نہیں، بتلانا صرف یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول صحیح اور حسن اسانید سے ثابت ہے، اور اسی سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں ہرزہ سرائی کرنے والے کی صداقت و دیانت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے انکار کا پسِ منظر یہ ہے کہ اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ان تنازعات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف کو اجتہاد اور تاویل پر مبنی قرار دینا پڑے گا اور اس سے طاعنینِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موہوم عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔

---

[1] العزلة (ص: ۲۰، رقم: ۲۱)

[2] السنة لابن أحمد (رقم: ۱۲۹۲)

جنگِ صفین کے موقع پر علی رضی اللہ عنہ کا اظہارِ افسوس:

اس کے علاوہ حسبِ ذیل روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ یہی روایت امام عبداللہ بن احمد نے "السنة" (۲/ ۵۵۵) میں ذکر کی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات صفین یا جمل کے موقع پر فرمائی تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے "التاريخ الكبير" (٦/ ٣٨٤) میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا کہ تم جنگ میں پیچھے کیوں رہے ہو؟ عمرو رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملے تو انھوں نے فرمایا: تم پریشان نہ ہو، اللہ کی قسم! میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صفین کے روز سنا، فرماتے تھے:

"لَيْتَ أُمِّي لَمْ تَلِدْنِي وَلَيْتَ أَنِّي مِتُّ قَبْلَ الْيَوْمِ"

''کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی۔ اور کاش! میں آج سے پہلے فوت ہو جاتا۔''

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صفین کے دن فرمایا:

"لَوْ عَلِمْتُ أَنَّ الْأَمْرَ يَكُوْنُ هٰكَذَا مَا خَرَجْتُ"

''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا تو میں اس لڑائی کے لیے نہ نکلتا۔''

علی رضی اللہ عنہ کا باہمی صلح کے لیے بے تاب ہونا:

بلکہ اس کے ساتھ انھوں نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے، جنھیں انھوں نے اپنی طرف سے حکم مقرر کیا تھا، فرمایا:

"اِذْهَبْ يَا أَبَا مُوْسىٰ فَاحْكُمْ وَلَوْ خَرَّ عُنُقِي"[1]

''ابو موسیٰ جاؤ، کوئی فیصلہ کرو اگرچہ میری گردن نیچے ہو جائے۔''

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (١٥/ ٢٩٣)

اس اثر کے بھی تمام راوی ثقہ وصدوق ہیں مگر یہ مرسل ہے، لیکن اس کی تائید ایک اور مرسل روایت سے بھی ہوتی ہے جسے قاضی ابو یوسف نے "کتاب الآثار" (۲۰۸) میں بواسطہ امام ابو حنیفہ، موسیٰ بن ابی کثیر نقل کیا ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"خَلِّصْنِي مِنْهَا وَلَوْ بِعِرْقِ رَقَبَتِي"

"میری اس سے جان چھڑا دیں، اگرچہ میری گردن کی رگ کٹ جائے۔"

ان جنگوں میں فریقین ایک دوسرے کے مقتولین کو تلاش کرتے اور باہم مل کر ان کی تدفین کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھاتے۔[1]

حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی باہمی مصالحت:

بلکہ ۴۰ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں یہ خط لکھا کہ امت ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوگئی۔ آپ عراق کے حاکم اور میں شام کا حاکم، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کو قبول کر لیا۔ فریقین ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے سے رک گئے۔ لشکروں کو اپنے اپنے شہروں میں بھیج دیا گیا اور اسی پر عملِ صلح قائم دائم رہا۔[2]

قابلِ غور بات یہ ہے کہ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنوا حضرات کے "باغی" ثابت ہوجانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان سے مصالحت کس نص کی بنیاد پر تھی؟ حضرت ابوموسیٰ سے تحکیم کے معاملے میں جان بخشی کروانے کے کیا معنی تھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اپنی پریشانی کا اظہار کیوں کرتے تھے؟

---

[1] البداية والنهاية (۷/ ۲۷۸) منهاج السنة (٤/ ١٠٨)

[2] البداية والنهاية (۷/ ۳۲۳) تاريخ الطبري (٥/ ٨١) الكامل لابن الأثير (٣/ ٣٨٥) المنتظم (٥/ ١٦٣)

لہٰذا یہ کہنا کہ ''شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے جھوٹی روایتیں کتابوں میں بھر دیں۔'' بجائے خود جھوٹ ہے۔ ہمیں بتلایا جائے کہ ابن ابی شیبہ وغیرہ کتب کے حوالے سے جو روایات ہم نے ذکر کیں اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ، علامہ بوصیری رحمہ اللہ وغیرہ سے ان کی تحسین و تصحیح نقل کی، ان میں کون سا راوی جھوٹا اور کذاب ہے؟!

ایک اشکال کا ازالہ:

اگر یہ عذر پیش کیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اپنی پریشانی کا اظہار جنگِ جمل کے بارے میں تھا تو یہ عذر، عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے قبیل سے ہے۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف جنگِ جمل میں راجح اور درست نہیں تھا؟ جنگِ صفین کی طرح جب جمل میں بھی ان کا موقف راجح تھا تو پھر یہ پچھتاوا چہ معنی دارد؟

بعض طرق میں صفین کا ذکر بھی اس عذرِ لنگ کے ابطال پر برہان ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان اقوال اور بالآخر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کی مصالحت کی بنا پر ہی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''بَلْ كَانَ فِيْ آخِرِ الْأَمْرِ يَطْلُبُ مُسَالَمَةَ مُعَاوِيَةَ وَمُهَادَنَتَهٗ وَأَنْ يَّكُفَّ عَنْهُ كَمَا كَانَ يَطْلُبُ مُعَاوِيَةُ ذٰلِكَ أَوَّلَ الْأَمْرِ، فَعُلِمَ أَنَّ ذٰلِكَ الْقِتَالَ وَإِنْ كَانَ وَاقِعًا بِاجْتِهَادٍ فَلَيْسَ هُوَ مِنَ الْقِتَالِ الَّذِيْ يَكُوْنُ مُحَارِبُ أَصْحَابِهٖ مُحَارِبًا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ''[1]

''حضرت علی رضی اللہ عنہ آخر کار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت اور لڑائی سے بچنے کے طلب گار تھے، جیسا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابتدا ہی سے ایسا چاہتے

[1] منهاج السنة (٢/ ٢٣٤)

تھے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے مابین لڑائی اگرچہ اجتہاد (کے مختلف ہونے) کی بنا پر ہوئی، لیکن یہ اس نوعیت کی لڑائی نہ تھی جس میں حصہ لینے والے گویا اللہ اور اس کے رسول کے لیے جنگ کرنے والے ہیں۔"

علی رضی اللہ عنہ کی باہمی جنگوں میں شرکت نہ کرنے والوں کی تعریف:

بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ انھوں نے ان جنگوں میں حصہ نہ لینے والوں کے بارے میں فرمایا: یہ بہترین مقام ہے جس پر عبداللہ بن عمر اور سعد بن مالک رضی اللہ عنہما قائم ہیں۔ اگر وہ اچھا ہے تو اس کا بہت بڑا اجر ہے اور یہ برا ہے اس کا نقصان بہت کم ہے۔[1]

علی رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت وحکومت کی مدح:

جنگِ صفین سے واپسی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَكْرَهُوا إِمَارَةَ مُعَاوِيَةَ، فَإِنَّكُمْ لَوْ فَقَدْتُمُوهُ رَأَيْتُمُ الرُّءُوسَ تَنْدُرُ عَنْ كَوَاهِلِهَا كَأَنَّهَا الْحَنْظَلُ"[2]

"لوگو! معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ناپسند نہ کرو۔ اگر تم نے انھیں گنوا دیا تو تم سروں کو دھڑوں سے یوں جدا ہوتے دیکھو گے جیسے حنظل ہوتے ہیں۔"

لڑائیوں کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہمی احترام:

وہ آپس میں ضرور لڑے، مگر انھوں نے اسے کفر و اسلام کی یا حق و باطل کی لڑائی نہیں سمجھا، بلکہ ان لڑائیوں میں فریقین اپنے اپنے مقتولین کو تلاش کرتے، باہم مل کر ان کی تدفین کرتے۔[3] فریقین کی نمازِ جنازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پڑھاتے اور فرماتے:

---

[1] منهاج السنة (۳/ ۱۸۰) تاريخ الإسلام للذهبي (۱/ ۵۵۳)

[2] البداية والنهاية (۸/ ۱۳۱) منهاج السنة (۵/ ۱۸۰)

[3] البداية والنهاية (۷/ ۲۷۷)

ہمارے بھائیوں نے ہم سے بغاوت کی اور تلوار نے ان کا معاملہ صاف کر دیا۔[1]

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''یہ مقدس انسان جب آپس میں لڑ بھی جاتے تھے تو ان کی لڑائی میں بھی ﴿ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ ہونے کی ایک انوکھی شان پائی جاتی تھی۔ بے شک وہ جمل اور صفین میں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہوئے ہیں، مگر کیا دنیا کی کسی خانہ جنگی میں آپ فریقین کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے ہوئے بھی ایک دوسرے کا احترام ملحوظ رکھتے دیکھتے ہیں جو ان بزرگوں کی لڑائی میں نظر آتا ہے۔ وہ نیک نیتی کے ساتھ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہوئے لڑتے تھے۔ نفسانی عداوتوں اور اغراض کی خاطر نہیں لڑتے تھے۔ انھیں افسوس تھا کہ دوسرا فریق ان کی پوزیشن غلط سمجھ رہا ہے اور خود غلط پوزیشن اختیار کرتے ہوئے بھی اپنی غلطی محسوس نہیں کر رہا ہے۔ وہ ایک دوسرے کو فنا کر دینے پر تلے ہوئے نہیں تھے، بلکہ اپنی دانست میں دوسرے فریق کو راستی پر لانا چاہتے تھے۔ ان میں سے کسی نے کسی کے ایمان سے انکار نہیں کیا، اس کے اسلامی حقوق سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ اس کی فضیلت اور اس کی اسلامی خدمات کا انکار بھی نہیں کیا، انھوں نے ایک دوسرے کو ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لڑنے میں انھوں نے لڑائی کا حق ضرور ادا کیا، مگر لڑ کر گر جانے والے کے لیے وہ سراپائے رحمت و شفقت تھے اور گرفتار ہو جانے والے پر مقدمہ چلانا اور اس کو سزا دینا یا اس کو ذلیل و خوار کرنا تو درکنار، قید رکھنا اور کسی درجے میں بھی نشانۂ عتاب بنانا تک انھوں نے گوارا نہ کیا۔

[1] منهاج السنة (٤/ ١٠٨)

''ذرا دیکھیے عین موقع پر جب کہ جنگِ جمل میں دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہوئی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پکارتے ہیں اور وہ ان سے ملنے کے لیے نکل آتے ہیں۔ دونوں میں سے کسی کو بھی دوسرے سے یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ وہ اس پر اچانک حملہ کر دے گا۔ صفوں کے درمیان دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہو کر روتے ہیں۔ دونوں طرف کی فوجیں یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہیں کہ یہ ایک دوسرے سے لڑنے آئے تھے اور اب گلے مل کر رو رہے ہیں۔ دونوں تنہائی میں بات کر کے اپنی اپنی فوجوں کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج والے ان سے پوچھتے ہیں کہ امیر المومنین! آپ عین لڑائی کے موقع پر ننگے سر ایک شخص سے تنہا ملنے چلے گئے؟ جواب میں فرماتے ہیں: جانتے ہو وہ شخص کون تھا؟ وہ ''صَفِيَّةُ عَمَّةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ'' کا بیٹا تھا۔ میں نے اس کو رسول اللہ ﷺ کی ایک بات یاد دلائی، اس نے کہا: کاش! یہ بات مجھے پہلے یاد آ جاتی تو میں آپ کے مقابلے میں لڑنے نہ آتا۔ لوگ اس پر کہتے ہیں: الحمد للہ! اے امیر المومنین! یہ رسول اللہ ﷺ کے شاہسوار اور حواری ہیں، ہم کو ان ہی کا سب سے زیادہ خوف تھا۔ دوسری طرف حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پلٹ کر اپنی فوج میں جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شرک اور اسلام میں جب کبھی کسی لڑائی میں شریک ہوا ہوں، مجھے اس میں بصیرت حاصل تھی، مگر اس لڑائی میں نہ میری رائے میرا ساتھ دیتی ہے نہ بصیرت۔

''یہ شان تھی ان لوگوں کی آپس کی لڑائی کی۔ وہ تلوار بھی ایک دوسرے پر اٹھا کر ﴿ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ ہی رہتے تھے۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے

کی قدر، عزت، محبت، اسلامی حقوق کی مراعات، اس شدید خانہ جنگی کی حالت میں بھی جوں کی توں برقرار رہی۔ اس میں سرِ مو فرق نہ آیا۔ بعد کے لوگ کسی کے حامی بن کر ان میں سے کسی کو گالیاں دیں تو یہ ان کی اپنی بدتمیزی ہے، مگر وہ لوگ آپس کی عداوت میں نہیں لڑے تھے اور لڑ کر بھی ایک دوسرے کے دشمن نہ ہوئے تھے۔"[1]

علی رضی اللہ عنہ کا آپسی جنگوں میں مقتول اہلِ شام کے لیے دعائے مغفرت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ جنگِ صفین کی رات نکلے تو اہلِ شام کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا: "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلَھُمْ"[2] "اے اللہ! مجھے اور انھیں معاف فرما دے۔" صحیح سند سے یزید بن الاصم سے منقول ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صفین کے مقتولین کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:

"قَتْلَانَا وَقَتْلَاھُمْ فِيْ الْجَنَّةِ"[3]

"ہمارے اور ان کے مقتولین جنتی ہیں۔"

باہمی جنگوں میں صحابہ کا قتل ہونا بھی کفارہ ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس بیان کی تائید تو حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ حضرت طارق بن اشیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بِحَسْبِ أَصْحَابِيْ الْقَتْلُ»[4]

"میرے صحابہ کے لیے (ان کی خطاؤں کا کفارہ) قتل کافی ہے۔"

---

1. رسائل ومسائل (۳/ ۱۷۰۔۱۷۷)
2. مصنف ابن أبي شيبة (١٥/ ٢٩٧)
3. ابن أبي شيبة (١٥/ ٣٠٣) سنن سعيد بن منصور (٢/ ٣٩٨) مجمع الزوائد (٩/ ٣٥٧)
4. مسند أحمد (٣/ ٤٧٢) مجمع الزوائد (٧/ ٢٤٣) وغيره

علامہ ہیثمی ﷫ نے کہا ہے کہ اس کے تمام راوی صحیح (بخاری) کے راوی ہیں اور علامہ البانی ﷫ نے اسے ''الصحیحة'' (١٣٤٦) میں ذکر کیا ہے۔

علامہ مناوی ﷫ اسی حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ﷡ کا فتنوں کے دور میں باہمی قتال اگر خطا کی بنا پر ہے تو اس میں ان کا قتل ہو جانا ہی ان کا کفارہ ہے اور جو ان میں راہِ صواب پر ہیں، وہ شہید ہیں۔[1] بلکہ ان فتنوں کے تناظر میں ہی نہیں، کسی اور پسِ منظر میں بھی اگر کوئی صحابی تلوار کی زد میں آئے ہیں تو حدیث کا عموم اس کو بھی شامل ہے اور یہ ضرب اس کے کفارے کا باعث ہے۔

آپسی جنگوں میں شہید ہونے والے صحابہ کا جنت میں مقام:

ابو یسرۃ عمرو بن شرجیل ﷫ کا شمار حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے جو نہایت عابد و زاہد اور ثقہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان سے بسندِ صحیح منقول ہے کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں جنت میں ہوں اور میں نے وہاں خوبصورت مکانات دیکھے۔ میں نے پوچھا: یہ مکانات کن کے ہیں؟ تو مجھے کہا گیا کہ یہ ذی الکلاع اور حوشب کے ہیں۔ یہ دونوں جنگِ صفین میں حضرت معاویہ ﷜ کے ساتھ تھے اور دورانِ جنگ شہید ہوگئے تھے۔ عمرو بن شرجیل ﷫ فرماتے ہیں: میں نے کہا: حضرت عمار ﷜ اور ان کے ساتھی کہاں ہیں تو انھوں نے جواب دیا: وہ اس سے آگے جنت میں ہیں۔ میں نے کہا: انھوں نے تو ایک دوسرے کو قتل کیا ہے؟ تو مجھے جواب دیا گیا: ''إِنَّهُمْ لَقُوا اللّٰهَ فَوَجَدُوهُ وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ''[2]

''انھوں نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تو اسے بڑا وسیع مغفرت والا پایا۔''

---

[1] اليسير بشرح الجامع الصغير (١/ ٤٣١)

[2] مصنف ابن أبي شيبة (١٥/ ٢٩٠) سنن سعيد بن منصور (٢/ ٣٩٣) طبقات ابن سعد (٣/ ٢٦٤) السنن الكبرىٰ للبيهقي (٨/ ١٧٤) المعرفة والتاريخ (٣/ ٣١٤) السير (١/ ٤٣٨)

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ لَقِيَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمْ يَفِرَّ أَحَدٌ مِنْ أَحَدٍ"[1]

"وہ سب جنتی ہیں، وہ ایک دوسرے سے لڑے، ان میں سے کوئی بھی میدان چھوڑ کر نہیں بھاگا۔"

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما آپ کے پاس بیٹھے ہیں۔ میں نے سلام عرض کی اور بیٹھ گیا۔ میں بیٹھا ہی تھا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو لایا گیا۔ دونوں کو ایک کمرے میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا گیا۔ میں دیکھ رہا تھا، جلد ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر آئے وہ فرما رہے تھے: ربِ کعبہ کی قسم! میرے حق میں فیصلہ ہوا، پھر جلد ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باہر آئے، وہ فرما رہے تھے: ربِ کعبہ کی قسم! مجھے معاف کر دیا گیا ہے۔"[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنے کی ممانعت:

محمود بن المفضل ابو الغنائم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ معاویہ پر لعنت کی جائے یا رحمت کی دعا کی جائے؟ انھوں نے فرمایا:

"اَلْمُسْلِمُ لَا يَلْعَنُ الْمُسْلِمَ وَلَا يُلْعَنُ"[3]

"مسلمان پر نہ لعنت کی جاتی ہے نہ مسلمان لعن وطعن کرتا ہے۔"

جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

1. البداية والنهاية (٧/ ٢٧٨)
2. البداية والنهاية (٨/ ١٣٠)
3. معجم السفر (٣٥٠)

سے تنازعات کی حیثیت اور ان مشاجرات میں شریک ہونے والوں کے بارے میں سلف کے موقف کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

صحابہ کے باہمی اختلاف پر منفی تبصرہ کرنا ممنوع ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں طعن و تشنیع کرنے لگا تو وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، پھر فرمایا: ایک اعرابی صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں انصار صحابہ کی ہجو کی تو انھوں نے فرمایا: اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ صحبت حاصل ہے۔ اگر یہ شرف اسے حاصل نہ ہوتا تو میں تمھاری (انصار کی) طرف سے دفاع میں اس کے لیے کافی ہوتا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اعرابی سے صرف صحابی ہونے کے ناتے درگزر فرمایا۔[1] ورنہ وہ اسے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کی سزا دیتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے پسِ منظر میں سنا کر خبردار فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایسی جسارت بہر نوع باعثِ مذمت اور مستوجبِ سزا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و رفعتِ شان:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"لَا تَسُبُّوا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ فَلَمُقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً -يَعْنِي

---

[1] الإصابة (١/ ٨)

مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ - خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمُرَهُ"[1]

"جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہو، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی ایک گھڑی تمھاری زندگی بھر کے اعمال سے بہتر ہے۔"

یہی قول بعینہٖ علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے "شرح فقہ اکبر" میں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "منہاج السنۃ" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا ہے۔[2]

اسی طرح سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ نے، جو عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے ہیں، فرمایا:

"لَمَشْهَدُ رَجُلٍ مِّنْهُمْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَغْبَرُّ فِيْهِ وَجْهُهُ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمُرَهُ وَلَوْ عُمِّرَ عُمُرَ نُوْحٍ"[3]

"کسی صحابی کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرنا، جس میں اس کا چہرہ خاک آلود ہو گیا ہو، تمھارے زندگی بھر کے اعمال سے افضل ہے، اگرچہ اسے عمرِ نوح علیہ السلام بھی دے دی جائے۔"

معاویہ رضی اللہ عنہ صحابیِ رسول سے کسی امتی کا تقابل کرنا جائز نہیں:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ؟ انھوں نے فرمایا:

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٦٢٦) فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل (١/ ٢٧) السنة لابن أبي عاصم (٢/ ٢٨٤) أصول أهل السنة (٧/ ١٢٤٩) وقال البوصيري: رواه مسدد موقوفاً بسند صحيح، إتحاف المهرة (٦٩٩٢) المطالب العالية (٣٣/ ٦١، رقم: ٤١٥٧)

[2] شرح الفقه الأكبر (ص: ٢٨) منهاج السنة (١/ ١٥٤)

[3] سنن أبي داود (٤/ ٣٤٤) سنن النسائي الكبرىٰ، رقم الحديث (٨١٩٣) مسند أحمد (١/ ١٨٧) زوائد فضائل الصحابة لابن أحمد (١/ ١٤٩)

"مُعَاوِيَةُ أَفْضَلُ، لَسْنَا نَقِيْسُ بِأَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَحَدًا!"[1]

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں، ہم صحابہ جیسا کسی کو بھی تصور نہیں کرتے۔''

امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ یہاں ایک شخص ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتا ہے تو انھوں نے فرمایا:

"لَا تُجَالِسُهُ وَلَا تُوَاكِلُهُ وَلَا تُشَارِبُهُ، وَإِذَا مَرِضَ فَلَا تَعُدْهُ"[2]

''نہ اس کے ساتھ بیٹھو، نہ اس کے ساتھ مل کر کھاؤ پیو، اور جب بیمار پڑ جائے تو اس کی بیمار پرسی نہ کرو۔''

معاویہ رضی اللہ عنہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ہزار گنا افضل ہیں:

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ ، جن کا شمار کبار محدثین وفقہاء میں ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

"وَاللّٰهِ إِنَّ الْغُبَارَ الَّذِيْ دَخَلَ فِيْ أَنْفِ فَرَسِ مُعَاوِيَةَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَفْضَلُ مِنْ عُمَرَ بِأَلْفِ مَرَّةٍ. صَلّٰى مُعَاوِيَةُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ رضي الله عنه: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، فَمَا بَعْدَ هٰذَا الشَّرَفِ الْأَعْظَمِ!"[3]

''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی معیت میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک کی غبار عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ہزار درجہ افضل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ آپ ﷺ نے

[1] السنة للخلال (ص: ٤٣٤، ٤٣٥، ٤٧٧)

[2] الذيل على طبقات الحنابلة لابن رجب (١/ ١٣٣)

[3] الشريعة (٥/ ٢٤٦٦) منهاج السنة (٣/ ١٨٣) البداية والنهاية (١/ ١٣٩) تطهير الجنان (ص: ١٠-١١)

"سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" فرمایا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہا، اس کے بعد اور بڑا فضل وشرف کیا ہوگا؟!"

امام معافی بن عمران رحمہ اللہ، جن کا لقب "يَاقُوتَةُ الْعُلَمَاءِ" تھا، ان سے کسی نے پوچھا: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین کیا فرق ہے؟ راوی کا بیان ہے:

"فَرَأَيْتُهُ غَضِبَ غَضَبًا شَدِيْدًا، وَقَالَ: لَا يُقَاسُ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ، مُعَاوِيَةُ رضی اللہ عنہ كَاتِبُهُ وَصَاحِبُهُ وَصِهْرُهُ وَأَمِيْنُهُ عَلٰى وَحْيِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ... الخ"[1]

"میں نے انھیں دیکھا کہ وہ شدید غضبناک ہوئے اور فرمایا: محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے مقابلے میں کسی کو قیاس نہ کیا جائے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے کاتب، آپ کے صحابی، آپ کے قرابت دار اور اللہ تعالیٰ کی وحی پر آپ کے امین تھے۔"

بلکہ حضرت بشر حافی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں خود سن رہا تھا، امام معافی بن عمران رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ؟ تو انھوں نے فرمایا:

"كَانَ مُعَاوِيَةُ أَفْضَلَ مِنْ سِتِّمِائَةٍ مِثْلَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ"[2]

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسے چھے سو بزرگوں سے بھی افضل تھے۔"

---

[1] الشريعة (٥/ ٧٤٦٧) شرح أصول اعتقاد أهل السنة (٨/ ١٤٤٥) تاريخ بغداد (١/ ٢٠٩) تاريخ دمشق (٥٩/ ٢٠٨) البداية والنهاية (٨/ ١٣٩)

[2] السنة للخلال (ص: ٣٤٥)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جن کی خلافت کو بعض علماء نے خلافتِ راشدہ سے ملایا ہے کہ ان کے دور میں اسلامی قوانین کی تنفیذ، شعائرِ اسلام کی پاسداری خلافتِ راشدہ ہی کے مطابق ہوئی، ان کا ورع وتقویٰ، ان کا زہد واخلاص لوگوں کے لیے نمونہ تھا، اسی تناظر میں اپنے اپنے دور میں لوگوں نے امام عبداللہ بن مبارک، امام احمد، امام معافی بن عمران رحمہم اللہ وغیرہ کے سامنے ان کے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین فرق کے بارے میں سوال اٹھایا تو انھوں نے بیک انداز جو جواب دیا وہ آپ کے سامنے ہے کہ کسی بڑے سے بڑے جلیل القدر تابعی کا عمل بھی کسی صحابی کے عمل کو نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور خانوادۂ علی رضی اللہ عنہ کا باہمی پیار ومحبت:

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملتے تو وہ استقبال میں ان کو ''مَرْحَبًا بِابْنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَأَھْلًا'' (رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے! اپنے گھر میں خوش آمدید) کہتے۔ پھر انھیں تین لاکھ بطور ہدیہ پیش کرتے۔ اور جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملتے تو وہ فرماتے: ''مَرْحَبًا بِابْنِ عَمَّةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَ ابْنِ حَوَارِیِّہٖ'' ''خوش آمدید اے رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد اور ان کے حواری (مددگار) کے بیٹے!'' پھر انھیں ایک لاکھ عطیہ پیش کرتے۔[1]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے تو انھوں نے فرمایا:

''أَمَا لَأُجِیْزَنَّکَ بِجَائِزَۃٍ لَمْ أُجِزْ بِھَا أَحَداً قَبْلَکَ وَلَا أُجِیْزُ بِھَا أَحَداً بَعْدَکَ مِنَ الْعَرَبِ، فَأَجَازَہُ بِأَرْبَعِ مِائَۃِ أَلْفِ دِیْنَارٍ''[2]

---

[1] الشریعة (٥/ ٢٤٦٨۔ ٢٤٧٠) البدایة (٨/ ١٣٧)

[2] الجود والسخا للطبراني (ص: ٢٩٦، رقم: ٩٠)

"میں آپ کو اس قدر عطیہ دوں گا کہ اتنا کسی عرب کو نہ پہلے دیا نہ آپ کے بعد، چنانچہ انھیں چار لاکھ دینار دیے۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تقریباً یہی قصہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں ذکر کیا اور عطیہ کی تعداد "أَرْبَعُ مِائَةِ أَلْفِ أَلْفٍ" چار کروڑ ذکر کی ہے۔[1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس نوعیت کے عطایا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بھی جاری رہا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا حسن اور سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ رقم کی ضرورت ہے تو انھوں نے دونوں حضرات کی خدمت میں ایک ایک لاکھ رقم بھیجی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا پتا چلا تو فرمایا: تمھیں شرم نہیں آتی، ہم صبح و شام اس پر طعن کرتے ہیں اور تم اس سے مال طلب کرتے ہو؟ تو انھوں نے فرمایا: آپ نے تو اسے ہمارے لیے حرام قرار دیا جب کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمارے حق میں بہت اچھا کیا۔[2]

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ۴۰ تا ۴۱ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور خلافت حضرت معاویہ کے سپرد کر دی۔ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان صحیح بخاری وغیرہ میں معروف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

"عنقریب میرا یہ بیٹا سردار ہوگا اور مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔"[3]

چنانچہ آپ کی یہ پیش گوئی ۴۰ یا ۴۱ھ میں سچی ثابت ہوئی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ گو اس مصالحت سے نالاں تھے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ مگر اس کے باوصف وہ

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ١٣٧)

[2] البداية والنهاية (٨/ ١٣٧)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧١٠٩)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فَلَمَّا استَقَرَّتِ الْخَلَافَةُ لِمُعَاوِيَةَ كَانَ الْحُسَيْنُ يَتَرَدَّدُ إِلَيْهِ مَعَ أَخِيهِ الْحَسَنِ فَيُكْرِمُهُمَا مُعَاوِيَةُ إِكْرَامًا زَائِدًا، وَيَقُولُ لَهُمَا: مَرْحَبًا وَأَهْلًا، وَيُعْطِيهِمَا عَطَاءً جَزِيْلًا وَقَدْ أَطْلَقَ لَهُمَا فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ مِائَتِيْ أَلْفٍ"[1]

"جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پختہ ہوگئی تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جایا کرتے تھے اور وہ ان دونوں کی تکریم بہت زیادہ کرتے، انھیں اہلاً وسہلاً اور مرحبا کہتے اور بہت زیادہ قیمتی عطیہ پیش کرتے۔ انھوں نے ایک دن میں انھیں دو لاکھ عطیہ کیے۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے جاتے رہے۔[2] بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو نصیحت کی:

"أُنْظُرْ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ وَ ابْنَ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَإِنَّهُ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى النَّاسِ فَصِلْ رَحِمَهُ وَارْفُقْ بِهِ يَصْلُحْ لَكَ أَمْرُهُ"[3]

"خیال رکھو حسین بن علی، رسول اللہ ﷺ کے نواسہ ہیں، وہ لوگوں کے ہاں سب لوگوں سے محبوب ہیں، ان سے صلہ رحمی کرنا اور ان کے ساتھ

[1] البداية والنهاية (٨/ ١٥٠)

[2] أيضاً (٨/ ١٥١)

[3] تاريخ دمشق (١٤/ ٢٠٦)

نرمی سے پیش آنا، تمھارے ساتھ ان کا معاملہ درست رہے گا۔"

جس سے یہ بات نمایاں ہو جاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں اہلِ بیت بالخصوص سیدنا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی قدر و منزلت کیا تھی۔ عملاً بھی حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرتے اور ان کی مادی ضروریات کا بطور خاص خیال کرتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویہ میں بہ کثرت بیان ہوئے ہیں جن میں ان کے ایمان واخلاص کی گواہی اور جنتوں کی بشارتیں مذکور ہیں، جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں تمام صحابہ کرام کا احترام اور ان سے محبت کرنا چاہیے، اور کسی کے متعلق اپنی زبان وقلم سے کوئی نازیبا کلمہ نہیں نکالنا چاہیے۔

مگر افسوس کہ قرآن وحدیث میں اس قدر صریح تعلیمات کے باوجود بھی کچھ لوگ صحابہ کرام بالخصوص سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے متعلق بعض اعتراضات کرتے ہیں جو دراصل رافضی پروپیگنڈے کا نتیجہ ہیں۔ جبکہ اہلِ سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہر قسم کا طعن وتنقید ناجائز اور ایمان لیوا ہے جس سے ایک مسلمان کو سخت احتراز کرنا ضروری ہے۔

اسی ضرورت کے تحت زیرِ نظر رسالے میں سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے فضائل ومناقب کا ذکر کیا گیا ہے جو قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ میں بیان ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان کے متعلق بعض لوگوں کے ذکر کردہ اعتراضات کا تحقیقی زاویے سے جائزہ لیا گیا ہے کہ وہ کس قدر بودے اور محض بغض وعناد کا نتیجہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولف گرامی مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کو اجر جزیل سے نوازے جنھوں نے مختلف مصادر ومراجع سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قدر ٹھوس علمی اشیاء تحریر کیں جو یقیناً پہلے کم ہی کسی جگہ یکجا دستیاب تھیں۔ دراصل یہ رسالہ مولانا اثری حفظہ اللہ کی تحریر کردہ دو کتب ''مقامِ صحابہ'' اور ''خطبہ غدیرِ خُم'' سے ماخوذ ہے جو افادۂ عام کے لیے الگ سے شائع کیا جا رہا ہے۔ ان معلومات کی صحت واستناد کے لیے شیخ اثری حفظہ اللہ کا نام ہی ایک معتبر حوالہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے پایہ علمی رسوخ اور محققانہ اسلوب سے نوازا ہے جو ان کی تمام کتب ورسائل کی نمایاں خوبی ہوتی ہے۔ جزاه الله خيراً وبارك فيه وتقبل منه.

حافظ شاہد رفیق

UMM UL QURA PUBLICATIONS
Sialkot Road, Lodhi Town Gujranwala
0092 321 6466422